

دولتِ آصفیہ اور حکومتِ برطانویہ

سیاسی تعلقات کی تاریخ پر ایک نظر

سید ابوالاعلیٰ مودودی



ناشران

سید علی شہر حاتمى بی بی سی سی عثمانیہ

چودھری محمد اقبال سلیم کابھنڈری

قیمت
پچیس روپے

۶۱۹۲۸	ایک ہزار	پہلا ایڈیشن
۶۱۹۳۱	ایک ہزار	دوسرا ایڈیشن

۶۳۷۶ جس کتابت

سید علی شبر حاتمى یا محمد اقبال سلیم کا ہندی
کے قلمی دستخط نہیں ہوں گے وہ مسروقہ سمجھی جائے گی۔

دستخط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر جان میکیم کے بقول دولت آصفیہ پوری برٹش انڈین امپائر کا مرکز ثقل ہے
 سلطنت کے اندر ایک سلطنت جو تقریباً ۳۳ ملین انسانوں پر حکمران ہو جس کے حدود
 کی سمیت یورپ کی جلیل القدر سلطنتوں کے برابر ہو جس کو اپنی رعایا پر کامل حاکمیت
 مطلقہ حاصل ہو ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کی اہمیت کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکے
 ایک ایسی طاقتور سلطنت نے کس طرح برطانوی حمایت (Protection) کو
 قبول کر لیا اور اپنی خارجی آزادی اور فوجی استقلال کو اپنے مساوی الذریعہ ملک یا بے باغ
 باجگزار حلیف کے سپرد کر دینے پر رضی ہو گئی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو قدرتی طور پر
 پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ڈیڑھ صدی سے زیادہ کے حلیفانہ تعلقات میں دونوں سلطنتوں کے
 درمیان کس قسم کے تعلقات رہے ہیں؟ اور دونوں نے ایک دوسرے کی دوستی کا
 حق کیونکر ادا کیا ہے؟ یہ بھی اہم اور ضروری سوالات ہیں جہاں تک دولت آصفیہ کا
 تعلق ہے، تاریخ پر اس کی دوستانہ وفاداری کے واقعات نمایاں موجود ہیں۔ سیو
 کی لڑائیوں سے لیکر آج تک سلطنت انگلیشیہ پر کوئی ایسا نازک موقع نہیں آیا جس میں
 آصفیہ ہی تلوار اور روپیہ نے اس کی مدد نہ کی ہو۔ اس کا اعتراف خود برطانوی مدیر نے

بھی ہوشیہ کھلے دل سے کیا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سلطنت برطانیہ نے اپنے
 ”یار و فادار“ کو دوستی کا کیا بدلہ دیا؟ اس کا جواب اکثر سکوت سے دیا گیا ہے
 تاریخ اپنے سینہ میں معلومات کا ایک وافر ذخیرہ رکھتی ہے مگر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتی۔
 دکن کی سیاسی تاریخ کا یہ پہلو خاص طور پر دیکھ سہ ہے۔ میں ایک عرصہ سے
 ارادہ کر رہا تھا کہ اس پر ایک مفصل کتاب لکھوں۔ چنانچہ اس کے لئے کافی مواد
 فراہم کر لیا تھا۔ لیکن حالات نے اس ارادہ کو پورا کرنے کی مہلت نہ دی اب
 ایک خاص موقع پر اخبار ”المجموعۃ“ کے لئے اس موضوع پر ایک مختصر مضمون لکھنے
 بیٹھا تو تمام پچھلی معلومات کا ہجوم ہو گیا اور اجمال اور اختصار کی انتہائی کوشش
 کرنے کے باوجود اس بحث و بیان کسی طرح سمٹ نہ سکا۔ آخر مجبوراً اس مضمون
 کو چھوٹے سے رسالہ کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ اگر حالات نے مساعدت
 کی تو انشاء اللہ یہی رسالہ ایک کتاب کی صورت اختیار کر لے گا۔

شید ابوالاعلیٰ مودودی

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۸ء

گزارش

۱۹۲۸ء کا زمانہ ہے، لارڈ ریلنگ وائسرائے ہند اگرچہ اپنا دور فرمان دہی ختم کر کے ہندوستان سے واپس تشریف لے جا چکے ہیں۔ ان کے تیراقدار کے زخمی کراچی کے مشہور قیدی قفس کراچی سے باہر قید خانہ ہندوستان میں تشریف رکھتے ہیں۔ دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین اقدار اعلیٰ کا مسئلہ باہر الاختلاف بنا ہوا ہے اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ حضرات اسکی تفصیلات سننے کے مشتاق ہیں۔

یہ تھا وہ وقت جبکہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ کتاب تالیف فرمائی تھی، مولانا نے اسے اس وقت خود چھپوایا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے نسخے ختم ہو گئے اور لوگوں کا اشتیاق بدستور باقی رہا۔ یہاں تک کہ ۱۳ سال کی مدت مدید گزر گئی اور لوگ ایک ایسی کتاب کی تلاش میں رہے جس سے دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے دو صد سالہ تعلقات پر روشنی پڑ سکے۔ ہم نے اس قسم کی ایک کتاب کی ضرورت کا اندازہ لگانے کے بعد یہ مناسب نہ سمجھا کہ کوئی دوسری کتاب اس موضوع پر تالیف کرائی جائے کیونکہ

۶
مولانا موصوف کے قلم کی خوبی پیدا کرنا دوسروں کے لئے آسان کام نہ تھا اور دوسری طرف اہل بصیرت حضرات کا اتفاق ہے کہ اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر دوسری انہیں ہو سکتی۔

ہم نے اس کی دوبارہ اشاعت کے لئے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی سے اجازت چاہی وہ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ مولانا موصوف نے ہمیں اسکی اجازت مرحمت فرما کر غنیمت فرمایا۔

سامان طباعت خصوصاً کاغذ اس زمانہ میں جس قدر گراں بلکہ کمیاب ہو گیا ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ ہمیں اس گرانہی کا قصہ آپ کو سننا منظور نہیں، لیکن بے انتہا افسوس ہے کہ اس کتاب کو جس قدر کم قیمت پر ہم آپ کے ہاتھوں تک پہنچانا چاہتے تھے اتنی قیمت پر پہنچانا ممکن نہیں ہا پھر بھی آپ یقین فرمائیں کہ جس قدر ہمارے امکان میں تھا ہم نے اس میں کسی طرح کوتاہی نہ کی۔

ناشران
سید علی شبر حائمی
محمد اقبال سلیم کاہنڈری

فہرست

صفحہ

۹

انگریزی تعلقات کی ابتداء

۱۲

انگریزی اثر کی ابتداء

۱۴

حیدر علی کے خلاف اتحاد

۱۵

سرکار گنتور پر ناجائز تصرف

۱۶

شمالی سرکار کی واپسی کا مطالبہ اور اس کا حشر

۱۷

سرکار گنتور کی باقاعدہ تفویض

۱۸

میسر عالم کی سفارت

۱۹

ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد

۲۰

انگریزوں کی بیوفائی اور فرامیسی اثر کا دوبارہ عروج

۲۵

انگریزوں سے از سر نو اتحاد

۲۷

ٹیپو سلطان کا استیصال

۲۸

سندھ کا معاہدہ

۳۱

میر نظام علیاں کا انتقال اور دو مصائب کا آغاز

۳۴	سیاسی متبہ میں کمی
۳۹	حیدرآباد کنٹینٹ کا قیام
۴۶	کنٹینٹ کی اصلیت
۵۵	کنٹینٹ کے مسرفانہ مصارف
۶۱	ملک ہضم کرنے کی تدبیریں
۶۵	کنٹینٹ کا قرض
۷۳	قرض کے بدلے ملک کا مطالبہ
۸۷	قرض کی اصلیت
۹۳	تقرض برار
۱۰۸	عذر میں نظام دکن کی وفاداری
۱۱۳	وفاداری کا صلہ
۱۲۳	سرسالار جنگ کا مطالبہ استرداد برار
۱۴۴	نواب میر محبوب علی خاں مرحوم
۱۴۷	لارڈ کرزن کا دوا می پٹہ
۱۷۰	اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کا بہادر کا دور
۱۹۴	ڈیڑھ صدی کے تعلقات پر ایک نظر
۲۰۰	معادہ برار ۱۹۳۷ء



انگریزی تعلقات کی ابتداء

سلطنتِ آصفیہ سے انگریزی تعلقات کی ابتدا حضرت مغفرت نواب آصفیہ
 اول ہی کے عہد میں ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ تعلقات دو دوستوں کے سے نہ تھے بلکہ ایک
 فریادی اور ایک فریاد رس کے سے تھے۔ اول اول انگریز اپنی تجارت کی خاطر
 اور ترقی کے لئے اس سلطنت کے ماتحت عہدہ داروں سے ملکر کام لے لیا کرتے تھے۔
 مگر جب شکوائے میں فرانسیسیوں نے انگریزوں سے مدد اس جھین لیا اور کرناٹک کے
 آصفیہ ہی گورنر انور الدین خاں نے انگریزوں کی مدد نہ کی تو فورٹ سمیٹ ڈیوڈ
 کے گورنر نے نواب آصفیہ سے فریاد کی۔ نواب نے اس فریاد کو توجہ کے ساتھ سنا
 اور انور الدین خاں کو حکم دیا کہ فرانسیسیوں نے انگریزوں سے جو کچھ چھین لیا ہے
 وہ انگریزوں کو واپس دلوا دیں۔

اس واقعہ کے ایک سال بعد نواب آصفیہ کا انتقال ہو گیا ان کی جگہ
 ان کے دوسرے لڑکے ناصر خٹک مندر نشین ہوئے۔ مگر نظمِ جنگ نے (جو نواب
 آصفیہ کے نواسے تھے) ان کے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایک دوسرے

مدعی حسین دوست خاں عرف چندا صاحب سے جوار کاٹ کی حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اتھا کر کے ناصر خٹک کو بیدخل کرنے کی کوشش کی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پاڈہ سچری میں ڈوپلے جیسا واہیہ سیاست فرنیسیسی عہداری کا حاکم اعلیٰ تھا اس نے دکن میں اپنے اثر کو بڑانے کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان دونوں مدعیوں کی حمایت کے لئے مستعد ہو گیا۔ انگریز مورخین کا بیان ہے کہ منظر خٹک کی مدد پر فرنیسیسی قوت کو دیکھ کر ناصر خٹک کی مدد کیلئے انگریز کھڑے ہو گئے۔ لیکن اس زمانہ میں انگریزوں کی کوئی ایسی طاقت نہ تھی کہ صوبیدار دکن اور ان کی مدد کا طالب ہوتا یا انکی مدد کو چٹا میں لانا ممکن ہے کہ ایک دفعہ انگریز ملٹن نواب کے ساتھ ہو گئی ہو۔ مگر دکن کے مورخین نے ان کو اتنی بھی اہمیت نہ دی کہ ان کا ذکر بھی کرتے۔

بہر حال ناصر خٹک و منظر خٹک کا مقابلہ ہوا۔ منظر خٹک قید ہو گئے۔ اور ناصر خٹک فرنیسیسیوں کی تادیب کیلئے پاڈہ سچری پر بھی راتیں فرنیسیسیوں نے لشکر لگا کر پریشب خون مارا۔ مگر قائمہ اضطراب میں کرنول کے نمک حرام افغانوں نے ناصر خٹک کو شہید کر دیا اور اس طرح منظر خٹک دکن کے فرمانروا ہو گئے۔ منظر خٹک کی اس کامیابی نے افغانوں اور فرنیسیسیوں کا اثر دکن میں بہت بڑھا دیا لیکن ان دونوں قوموں میں خلیج و باہم رقابت پیدا ہو گئی۔ فرنیسیسی غصہ کا سزا دیو دیو بوسی تھا اور افغانوں کا سردار بہت بہادر خاں۔ دونوں فوجوں میں لڑائی ہو گئی اور اس کشمکش میں منظر خٹک اور بہت بہادر خاں دونوں مارے گئے۔

فرانیسیسی اثر کا زوال

اس کے بعد نواب آصفیہ کے تیسرے بیٹے صلابت خٹک مندار کے سلطنت

۱۱
 بوسی (Bussy) اور اس کی فرنیسی فوج کا اثر اس وقت حیدر آباد میں پورے
 عروج پر تھا۔ بوسی کو سیف الدولہ عمدۃ الملک غضنفر جنگ بہادر کا خطاب بہت
 نہاری منصب سے علم و فہارہ و ماہی المرتبہ یالیا تھا۔ اور صلابت جنگ کی سفارش
 پر شاہ دہلی کی جانب سے اسکو خلعت و تیرہ بیچ مع فیل خاصہ مرحمت ہوا تھا۔ اسکی
 فوج کی معاش کے لئے سرکارات سید کا کول راہ بندری، مصطفیٰ نگر اور تھنی نگر گنتوں
 بطور جاگہ دیئے گئے تھے اگر وہ دانا کی و فرزاگی سے کام لیتا تو صوبہ اردکن کی تائید
 فرانیسوں کے حق میں حاصل کر لیتا۔ اور شاید ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ لیکن اسنے
 اپنی کوتاہ فہمی سے یہ سمجھا کہ یہی وقت وکن پر قبضہ جانے کے لئے موزوں ہے چنانچہ
 اس نے سلطنت کے معاملات میں مداخلت شروع کی اس کے دیوان رومی خاں نے
 جسے حیدر جنگ کا خطاب دیا گیا تھا۔ خود مدارا لہام سلطنت نواب صمصام الدولہ
 کے ساتھ مساوات کا دم بھرنے شروع کیا اور ان دونوں نے اتنی سرکشی اختیار کی کہ
 آخر صلابت جنگ اور صمصام الدولہ ان سے برگشتہ خاطر ہو گئے اور انہیں سخت
 سے برطرف کر دیا اس برطرفی سے غضبناک ہو کر انہوں نے حیدر آباد میں فتنہ عظیم
 برپا کر دیا۔ چار محل۔ چار منیار۔ اور حیدر محل پر توپیں لگا دیں۔ داد محل پر مروجہ
 بنایا اور شہر کو برباد کرنے کا ہتہ کر لیا صلابت جنگ نے یہ رنگ دیکھ کر اسوقت
 کو نرمی سے ٹال دینا مناسب سمجھا، بوسی کو اس کی جگہ بجال کر دیا اور حیدر جنگ
 ورنجل، کھیم اور ملکپور کی تعلقہ داری سپرد کی لیکن اس سے ان دونوں کے
 حوصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے کچھ عرصہ بعد ایک فوجی سازش کر کے صمصام الدولہ
 اور میر حسین خاں کو گرفتار کر لیا اور نواب میر نظام علی خاں ولیعہد سلطنت کو

۱۲
کو بھی قلعہ گوگٹہ میں قید کر دینے کی تدبیر شروع کر دی۔ یہ حرکت ایسی تھی کہ اس سے سلطنت کا عین وجود خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ چنانچہ میر نظام علی نے حیدر جنگ کو پکڑوا کر قتل کرا دیا۔ اور بوسہ کے دوسرے ساتھی ابراہیم گارڈی کو توڑ لیا۔ اس طرح بوسہ کا زور ٹوٹ گیا۔ اور اسکو حیدر آباد سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا پڑا۔

انگریزی اثر کی ابتداء

یہ حیدر آباد میں پہلی مرتبہ فرانسیسی اثر کے زوال کے اسباب ہیں۔ اسی زمانہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ ہوئی اور کرنل فورڈ (Forde) اس علاقہ میں گھس آیا جو میر نظام سے فرانسیسی فوجوں کی محاش کیلئے دیا گیا تھا۔ صلابت جنگ نے اپنے حدود سلطنت میں اس تجاوز بجا کو دیکھ کر انگریزوں کی تاویں کیلئے خود جانے کا قصد کیا لیکن انگریز سمجھتے تھے کہ صوبہ دار دکن سے بگاڑ کر انکی تیر نہیں اس لئے انہوں نے خود آگے بڑھ کے صلح کی درخواست کی۔ اور ۱۷۵۹ء (۱۱۷۱ھ) میں پہلا تہنامہ عمل میں آیا جس کی رو سے نظام دکن نے سرکار سولی پٹیم سرکار نظم پٹیم اور اضلاع کوٹہ اوریر دوا کلینر انگریز کی کمپنی کو انعام میں دیئے اور وعدہ کیا کہ اپنی ریاست سے فرانسیسی فوجوں کو نکال دیں گے۔

اس تہنامہ پر ابھی عہدہ آمد نہ ہوا تھا کہ نواب میر نظام علیخان آصفغاہ ثانی نے نواب صلابت جنگ کو معزول کر دیا اور خود عثمان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اس انقلاب کے بعد نواب غفران آباد اپنی ریاست کے معاملات کی درستگی میں

مشغول تھے کہ انگریزوں نے ۱۷۵۷ء میں قانون کے بالکل خلاف بالابالاشاہ دہلی سے شمالی سرکار وکی سند حاصل کر لی (حالانکہ دو سال پہلے معاہدہ پیرس میں خود تسلیم کر چکے تھے کہ یہ علاقہ نظام کی ملک ہے) اور اسکے بعد جنرل کیلوڈ (Calliaud) کی قیادت میں ایک فوج بھی بھیج دی تاکہ اس علاقہ پر قبضہ کرے۔ یہ قانون بین الملل کی ایک کھلی ہوئی خلاف ورزی تھی اس سے ناراض ہو کر نواب نے کرناٹک پر دباؤ ڈالا جہاں انگریزوں کے اغوا سے نواب محمد علیاں (ابن نواب انور الدین خاں) خود مختار ہو گیا تھا۔ انگریزوں نے پہلے تو کرنل کیسبل کے زیر قیادت مزاحمت کی مگر بعد میں نواب کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر خائف ہو گئے اتنے بڑے فرمانروا سے لڑنے کی ان میں جرأت نہ تھی۔ دوسرے حیدر علی کے ساتھ نظام دکن سے بھی انکار لینا ان کے حق میں سخت خطرناک تھا اس لئے فورٹ سینٹ جارج کی پریسڈنسی سے جنرل کیلوڈ صلح کی استدعا دیکر حیدر آباد بھیجا گیا اور نومبر ۱۷۵۷ء میں اس نے سرکار نظام کے ساتھ ایک جدید تہنامہ مرتب کیا اس تہنامہ کی رو سے انگریزوں نے شمالی سرکار وکی سند ان کے قانونی مالک سمجھا لی کی اور راج بندری سیکاکوٹ ایلورا اور مصطفی نگر کی سرکاروں کے عوض ۷ لاکھ پونے سالانہ خراج دینا قبول کیا اور مرضی انگریز کے متعلق یہ طے ہوا کہ نواب سات جنگ (نواب صفحہ ثانی کے چھوٹے بھائی) کی زندگی میں یہ علاقہ ان کے زیر تصرف رہے گا بعد میں وہ بھی انگریزوں کو مل جائے گا۔ اور اس کے عوض انگریزوں کو پنی ۲ لاکھ سالانہ خراج سرکار نظام کو ملے گی۔ اس کے مقابلہ میں انگریزوں نے عہد کیا کہ وہ ہر ضرورت کے موقع پر سرکار نظام کی مدد کے لئے ایک فوج مستعد رکھیں گے

۴
اس فوجی امداد کا خرچ اگر شمالی سرکاروں کے خراج سے کم ہوگا تو اسے رقم خراج میں
وضوح کر کے باقی ماندہ رقم سرکاری دخل کی جملے گی۔ اور اگر خراج سے زیادہ ہوگا
تو رازدار رقم کی ذمہ دار خود کھینی ہوگی۔ یہ فوجی خدمات کا پہلا دام تھا جس میں نظام
دکن کو بچھا نسا گیا۔ بعد میں اس نے جو خوشگلیاں اختیار کی ہیں ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

حیدر علی کے خلاف اتحاد

مذکورہ عہد نامہ کے مطابق نظام دکن کی خدمت کیلئے ایک مستقل فوج
حیدر آباد میں رکھنا انگریزوں کا فرض تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد جب
حیدر علی کی قوت سے انگریزی مقبوضات کو خطرہ لاحق ہوا تو یہ فوج اگست ۱۷۹۶ء
میں حیدر آباد سے واپس بلائی گئی۔ اور اسے انگریزی مقبوضات کی حفاظت پر
لگا دیا۔ نواب صفحہ ۱۷۹۷ء کے عہد نامہ کی پابندی کرتے ہوئے حیدر علی کا
خلاف انگریزوں کی مدد کرنے پر مستعد ہو چکے تھے مگر ان کی اس بیدہمدی کو دیکھ کر
ناراض ہو گئے اور ان کی مدد سے انکار کر دیا۔ اس قہر پر کنالہ دولہ دار المہاراجہ حیدر علی
کی سفارش کی۔ خود حیدر علی نواب کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور جب نواب بازید
کیلئے اس کے ہاں گئے تو حلیہ خانے تک آکر آداب بجا لایا اور ہر رو پیئے نقد
اور دو نہر پستیاں سونے کی نذر میں پیش کیں۔ چوترہ زریر لیا کر بٹھایا، جواہر
خوار پاریچہ و پوشاک، دو عدد غلاؤں، فیل اور دو تین توپیں گزرائیں۔ یہ
ایسا موقع تھا کہ اگر سلطنت دکن اور ریاست میسور کا دائمی اتحاد ہو جاتا تو کم از کم
جزبی ہند پر اسلامی سلطنت از سر نو مستحکم ہو جاتی مگر مشیت الہی کو کچھ اور منظور تھا۔ نواب

آصفیہ کی دہلی پر دربار کا رنگ پھر بدلا۔ نوابۂ الہ آباد اور محمد علی شاہ علی گڑھ نے جو انگریزوں کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ چکا تھا، حاضر ہو کر نہ معلوم کیا بیٹی بڑھائی کہ نواب غفران آباد کا مزاج پھر حیدر علی سے منحرف اور انگریزوں کی جانب منحنف ہو گیا اس کے بعد ہی رکن الدولہ مدرسہ بھیجے گئے اور وہاں فروری ۱۷۹۸ء میں ایک تہنامہ مرتب ہوا جس کی رو سے نواب آصفیہ نے کرناٹک کی دیوانی سٹالا کھائی سالانہ خرچ کے عوض انگریزوں کے سپرد کی۔ نواب کرناٹک کے معاملات میں مداخلت سے دست بردار تھی۔ اور انگریزوں نے عہد کیا کہ وہ سپاہی دو پلٹنیں گولندازوں کی کافی تعداد سمیت، نواب کی خدمت میں رہے جس کا خرچ نواب کو دینا ہو گا۔ مگر یہ فوج ایسی طاقتوں کے ساتھ استعمال کی جائیگی جن سے انگریزی کمپنی کی دوستی ہو۔

یہ اسی سبڈیری الائنس (Subsidiary Alliance) کی بنیاد تھی جس نے بعد میں ترقی کر کے ریاست کی جڑ کو کھوکھلا کر دیا۔ افسوس اس وقت کوئی ایسا صاحب نظر سیاست داں موجود نہ تھا جو اس حقیقت کو سمجھتا کہ سلطنت کا استحکام اس کی اپنی طاقت پر منحصر ہوتا ہے نہ کہ کسی حلیف کی مدد و اعانت پر۔

سکارگنٹور راجا جرنل صاحب

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۷۹۷ء میں سکارگنٹور کے متعلق کمپنی سے یہ عہد ہوا تھا کہ بہالت جنگ کی زندگی تک یہ علاقہ انکی جاگیر میں رہے گا۔ اسکے بعد پھر کمپنی کو مل جائے گا۔ لیکن انگریز ملک گیری کی ہوس میں چین ہو رہے تھے

۱۶
 بسالت جنگ کے مرنے تک صبر کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا اور انہوں نے شہزادہ کو
 حیدر علی کے خطرہ سے ڈرا کر ۱۷۹۱ء میں اس سے سرکار گنتور کا قبضہ حاصل کر لیا
 اور اسے نواب کرناٹک کو دس سال کے پٹہ پر بھی دے دیا۔ یہ نہ صرف ایک صحیح
 بدعہدی تھی بلکہ ایک حلیف کی رعایا سے ناجائز ساز باز کرنا اور اس کے ملک پر
 بیجا تصرف کرنا تھا جس کو نظام ایک معاذ نہ فعل قرار دینے میں حق بجانب
 تھے۔ انہوں نے اس حرکت پر سختی کے ساتھ احتجاج کیا اور احتجاج کو موثر بنانے
 کے لئے فرانسیسی فوج کو پھر ملازم رکھ لیا۔ اس معاملہ کی خبر کلکتہ پہنچی تو سخت
 اضطراب پیدا ہو گیا۔ گورنر نے نومبر ۱۷۹۱ء میں نواب کو ایک طویل معذرت نامہ
 لکھا خود کو رٹ آف ڈاٹر کٹرنے میں اس معاملہ کی تحقیقات کی اور آخر نواب کو
 خوش کرنے کے لئے نہ صرف سرکار گنتور واپس کی گئی بلکہ سرولیم ریالڈ
 (Sir W. Rumbald) گورنر کے اسکی کونسل کے ارکان سمیت برطانیہ کر دیا گیا

شمالی سرکار کی واپسی کا مطالبہ اور اس کا حشر

بسالت جنگ کے انتقال کے بعد ۱۷۹۱ء میں کمپنی کی طرف سے مسٹر
 جانسن کو ویل بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا تاکہ سرکار گنتور کی حوالگی کا مطالبہ کرے
 اس زمانہ میں نواب کو اپنی پہلی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور انہوں نے ملک گیر
 اجنبی طاقتوں سے فوج رکھوانے کے انجام کو سمجھ لیا تھا۔ اس لئے انگریزی کویل کے
 سامنے انہوں نے تجویز پیش کی کہ کمپنی شمالی سرکار کو اس کے دے اور اس کے
 عوض سرکار نظام نہ صرف پیشکش کا بقایا معاف کر دیگی بلکہ ایک کروڑ روپیہ

نقد بھی کمپنی کو دے گی۔ اس کے ساتھ نواب غفران آباد نے کرناٹک کی واپسی کے لئے بھی ایسی ہی تجاویز پیش کی تھیں۔ مگر جانسن نے ان تجاویز کو پسند کیا اور سپریم کورٹ کو ان کی منظوری کے لئے لکھا۔ لیکن وہاں سے سختی کے ساتھ انہیں رد کر دیا گیا اور اس قصور میں کہ غریب جانسن نے ان تجاویز کو سنا بھی کیوں؟ اسے منصب وکالت سے برطرف کر دیا گیا۔

سکالر گنتور کی باقاعدہ تفویض

۱۸۷۷ء میں لارڈ کارنوالس نے کیپٹن کنوے (Kenonaway) کو پہلی مرتبہ ریٹائرڈ منسٹر بنا کر حیدرآباد بھیجا اور اسے شہر شیک کے باغ میں ٹھہرایا گیا۔ اس مرتبہ سکالر گنتور کی تفویض کا مطالبہ صرف زبان ہی نہیں پیش کیا گیا۔ بلکہ مملکت انتہیہ کی سرحدوں پر فوج کا اجتماع بھی کیا گیا تاکہ اگر نظام کو پھیل پیش نہیں کریں تو انہیں فوجی خدمات کے عوض ملک دینے کی ترغیب جائے۔ اب نظام کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ خود اپنا ملک دیکر فوج رکھوانے کا کیا انجام ہوتا ہے مگر اس کا تدارک اب ان کے بس کا نہ تھا۔ مجبوراً انہیں قدرتی مستلج

Our Faithfull Ally the Nizams p. 36.

۱۷ اس مقام پر حکومت نظام نے بعد میں ۲۶ لاکھ کے فخر سے ایک خیمہ لٹکانے کی نگرانی کلا کے قیام کیلئے بنوائی گئی۔ اس نگرانی کے جرم میں ریاست کی سرحدوں کی طرف سے فوجیں نکالیں گے اور گورنر جنرل کو اس کا اچھا حصہ بھیج دیا جائے گا۔ ریاست کی سرحدوں کی طرف سے فوجیں نکالیں گے اور گورنر جنرل کو اس کا اچھا حصہ بھیج دیا جائے گا۔ (تاریخ شیدائریاں صفحہ ۶۹)

۱۸ Our Faithfull Ally p. 37.

کے آگے سر جھکا دیتا پڑا۔ اور شمالی سرکاری واپسی کے خیال سے ماتمہ دھوکرا اپنے
بلک کے ایک اور حصہ کی علیحدگی کو گوارا کرنی پڑی۔

اب تک کمپنی نے اس ملک کا پیشکش بھی ادا نہیں کیا تھا جو ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء کے معاہدوں کی رو سے اس کے سپرد کیا گیا تھا یہ رقم ۲۳۳۲۹۴ ۶۷ روپیے تک پہنچ چکی تھی۔ نظام نے اس کا مطالبہ کیا۔ لیکن کمپنی نے صرف ۱۶۶۶۵ روپیے پیش کئے اور ۵۸۳۲۶۶ روپیے اس جہانہ سے سٹال لئے کہ یہ بیات جنگ کے انتقال ستمبر ۱۹۶۳ء سے لیکر سرکار گنستور کی تقویمیں ستمبر ۱۹۶۸ء تک کا رہ جانے پر ۱۵

استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ فوج صرف ٹیپو سلطان کے مقابلہ کے لئے رکھی گئی تھی کیونکہ نظام کے تمام مہم سائہ رئیسوں اور نوابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد صرف ایک ٹیپو سلطان ہی باقی رہ گیا تھا۔

اس خط میں یہ بھی تصریح کر دی گئی تھی کہ آئندہ شمالی سرکاروں کے مسئلہ کو چھڑنے کا کوئی امکان نہیں ہے یعنی یہ علاقہ جو سلطنت وکن سے علیحدہ کیا جا چکا ہے اب کسی حال میں اس مالک کو نہ ملے گا۔

ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ٹیپو سلطان کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی اور اور انگریز سمجھتے تھے کہ اگر اس اولوالعزم سپاہی کو دس پانچ برس کی بھی مہلت ملگئی تو پھر کم از کم جنوبی سندھس ان کا قدم ٹکنا محال ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے یہ غم کیا کہ اس سرچشمہ کو طوفان بننے سے پہلے ہی بند کر دینا چاہئے کیونکہ ٹیپو سلطان تنہا انگریزوں کے بس کا نہ تھا۔ نظام اور مرہٹوں کی امداد بغیر اس کا زور توڑنا ناممکن تھا اور کم از کم نظام کو ان کے ایک اہم مذہب رئیس کے قلب میں اس قدر شک و شبہ پیدا کرنا مشکل تھا لہذا اس کے لئے یہ تدبیر سوچ لی گئی کہ ایک طرف ٹیپو کی اولوالعزمیوں کو خود نظام کے لئے خطرناک ظاہر کیا گیا اور دوسری طرف ان کے سامنے یہ فائدہ کی صورت پیش کی گئی کہ اگر ٹیپو کو مغلوب کر لیا گیا تو ملک اتحادیوں پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ یہ تدبیر کارگر ہو گئی۔ جولائی ۱۷۹۲ء میں نواب صفحہ پٹنہ پر دہان پیشوا اور گنپنی بہادر کے

درمیان دفاعی و ہجومی اتحاد کا معاہدہ ہو گیا اور اس کے بعد ہی تینوں قوتوں نے میسور پر حملہ کر دیا۔

اس جنگ میں نظام الملک کی اعانت کے لئے کمپنی نے وہ فوج بھیجی جو خود نظام کے خراج پر رکھی گئی تھی۔ لیکن یہ فوج اس قدر ناقص و ناکارہ تھی کہ اس سے جنگ میں کوئی کام نہ لیا جاسکتا تھا۔ خود رزٹرنٹ (کمپن کنوے) نے اعتراف کیا کہ وہ نہایت غیر فوجی اور غیر مکمل حالت میں تھی۔ نظام نے جب اس کی سختی کے ساتھ شکایت کی تو لارڈ کارنوالس نے معذرت نامہ لکھا جس میں اُس نے صاف طور پر تسلیم کیا کہ

”ہر تینس کمپنی سے اس امر کی شکایت کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ سرکار کمپنی ان کی ایسی اعانت کرنے سے قاصر ہے جس کے وہ معاہدہ

اور پیہم ہوا عہد کی رو سے مستحق تھے“

بہر حال نظام نے وفائے عہد کا حق ادا کیا اور جنگ میں انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو کو شکست ہوئی اُسے آدھا ملک اتحادیوں کے سپرد کرنا پڑا اور اس مفتوحہ علاقہ میں سے نظام کے حصہ میں ۱۳۱۶۶۶۶۶ اھن کا ملک آیا۔

انگریزوں کی بیوفائی اور فراموشی ان کے ترکا دو بارہ عروج جنگ میسور کے خاتمہ کے بعد ہی دولت آصفیہ کے ایک ماتحت رئیس

جاگیردار کرنول کی تابعیت کے مسئلہ میں نظام اور ٹیمپو سلطان کے درمیان نزاع برپا ہوئی جسے طے کرنے کے لئے نظام نے اس فوج کو طلب کیا جو خود انہیں روپے سے رکھی گئی تھی لیکن کمپنی نے اس کے دینے میں انتہا درجہ کی ٹال مٹول کی اور محض فوجی خدمت سے بچنے کے لئے یہاں تک کیا کہ کرنول پر نظام کے قانونی حقوق تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔^{۲۱}

اس کے بعد نظام کو ایک ایسے علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کی ضرورت پیش آئی جو معاہدہ سرریک پٹن کی رو سے ان کے حصہ میں آیا تھا۔ اس کام کے لئے انہوں نے پھر کمپنی سے اپنی فوج طلب کی مگر پھر اُسے بھیجے سے انکار کر دیا گیا۔

۱۷۹۲ء میں کرنول کے نئے رئیس الف خاں نے حکم کھلا نظام کی اطاعت سے انحراف کر کے ٹیمپو سلطان کی اطاعت اختیار کر لی نظام نے چاہا کہ کمپنی کی فوج بھیج کر اسے راہ راست پر لائیں مگر اس مرتبہ بھی فوج دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔ سر جان شور (گورنر جنرل) نے صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ:-

”ریزیڈنٹ کو نظام پر یہ امر واضح کر دینے کے ہر مناسب موقع سے فائدہ

اٹھانا چاہئے کہ کمپنی کی فوج کے ان کی خدمت میں حاضر رہنے کو ہماری

باہمی دوستی کی ایک علامت سمجھنا زیادہ بہتر ہے نسبت اس کے کہ اسے

نظام کی سرکش رعایا سے خراج وصول کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔“

۲۲
 ان سپہم واقعات سے نظام پر اچھی طرح روشنی ہو گیا کہ کمپنی کی فوج ان کے کسی کام کی نہیں ہے بلکہ کمپنی نے ان کے خرچ پر اپنی خدمت کے لئے رکھا ہے اسی زمانہ میں مرہٹوں سے نظام کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو رہے تھے مرہٹوں کی جانب سے چوتھ کے بقایا کا مطالبہ سخت تھا۔ اور نظام کو ہر وقت مرہٹہ فوج کے حملہ کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ نظام نے کمپنی کے رویہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی طرح بھی ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اپنے وفادار حلیف کے لئے حد سے حدیعی کر سکتی ہے کہ مصالحت کی کوشش کرے۔ دوسری طرف جب مرہٹوں کی طاقت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک فرانسیسی افسر موسیو پوینے (M. Debogi Ne.) کی قیادت میں ایک زبردست باضابطہ فوج قائم کر لی ہے اور ان حالات کو دیکھ کر نظام نے قطع فیصلہ کیا کہ کمپنی کی ناکاہ فوج سے اپنا بچھا چھڑائیں اور اپنی ایک مستقل باضابطہ فوج مرتب کریں جتناباً اس غرض کے لئے ایک فرینچ آفیسر موسیو ریمون (M. Raymond) کو جو موسیو ریمون کے نام سے مشہور ہے لازم رکھا گیا اور اس کے ماتحت دسویں اور پندرہویں فوجوں کے دستے مرتب کئے گئے اس کے علاوہ چند اور امریکن فرینچ اور ابرش افسروں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

ان افواج کی ترتیب کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ۱۹۵ء میں مرہٹوں سے جنگ چھڑ گئی۔ مقام کھڑکہ سخت معرکہ ہوا جس میں نظام کو شکست ہوئی اور انہیں اس شرط پر صلح کرنی پڑی کہ ۳۶ لاکھ ٹالک و ۲ کروڑ روپیہ نقد مرہٹوں کو دینگے اور اسطرح جاہ کو برہمال کے طور پر اپنے سپرد کریں گے محض اسکا نتیجہ تھا کہ

نظام نے کمپنی کی دوستی پر بھروسہ کیا اور پہلے ہی خود اپنی فوجی قوت کو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کی۔

جنگ کھڑے سے واپس ہوتے ہی نظام نے انگریزی پٹنوں کی برطرفی کا حکم دیدیا اور موسیٰ جموں کی جمیت کو ترقی دینی شروع کی یہاں تک کہ وہ ۱۵ ہزار کی تعداد تک پہنچ گئی اور اس کیلئے ۱۳۰ روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا۔ اس کیلئے حید آباد میں ایک جنگی کارخانہ بھی قائم کیا گیا جس میں ہر قسم کا بہترین سامان جنگ تیار ہوتا تھا۔ ان واقعات سے بہت ممکن تھا کہ حالات ایک نیا رخ بدل لیتے اور تاریخ کوئی دوسری شکل اختیار کرتی لیکن اس زمانہ میں ایک زبردست سازش کھڑی ہو گئی شاہزادہ عالیجاہ کو باپ کے خلاف بغاوت پر ابھارا گیا۔ بیدار کے زمیندار اس کے ساتھ مل گئے جموں کی امداد بھی اسکو حاصل ہو گئی۔ اور نظام کا تخت خود ان کے اپنے جگر گوشہ کے ہاتھوں خطرہ میں پڑ گیا۔ ایسی حالت میں نظام دوبارہ کمپنی سے امداد طلب کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہی فوجیں جنکی برطرفی کا حکم دیا چاچکا تھا۔ مجبوراً پھر ناگ لی گئیں۔ تاہم ابھی تک فرانسیسی اثر پور سے زور پر تھا۔ ولی عہد سلطنت نواب سکندر جاہ کی موسیٰ جموں سے عہد موافقت تھا یہاں تک کہ وہ جموں کے سر کی قسم کھا کر تھے تھے۔ دربار میں اس کے اثر کا یہ عالم تھا کہ ہر پارٹی اس کی تائید حاصل کرنے کی خواہشمند تھی اور اسکی مخالفت کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی باوجودیکہ دربار کے بڑے بڑے امراء شاہزادہ فریدوں جاہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر چونکہ رجموں شاہزادہ سکندر جاہ کا موید تھا اس لئے سب دم بخود تھے۔ ۱۷۹۶ء

۲۲
میں جب نواب غفران آباد سخت بیمار تھے تو ریزیڈنٹ نے گورنر جنرل کو
لکھا تھا کہ

بلاشبک مشہور فرامیسی اس وقت ایسی پوزیشن میں ہے کہ نظام کا انتقال
ہوجانے کی صورت میں وہ جس کو چاہے گا سندنشین کرا دے گا۔
اس زمانہ میں ٹیپو سلطان نے نواب آصف جاہ کو انگریزوں کے خلاف
ایک جہاد عالم میں شرکت کی دعوت دی اور ایک طویل خط لکھا جس میں قرآن
حدیث کا حوالہ دیکر نواب کو اس فریضہ دینی کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ
وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مل کر ان ممالک کو کفار سے واپس لیں جو پہلے
دارالاسلام رہ چکے ہیں۔ ایک طرف ان باتوں کا اور دوسری طرف
انگریزوں کی سابق بیوفائیوں کا نظام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے انگریزی
ریزیڈنٹ کمیشن کرک پٹرک کو حکم دیدیا کہ وہ کمپنی کی فوجوں کو واپس بھیج دے
قریب تھا کہ انگریزی کمپنی سے نظام کے تعلقات منقطع ہو جاتے۔ مگر
عین وقت پر سیاسی فریب کاری نے کمپنی بہادر کی دستگیری کی۔ ریزیڈنٹ
نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ نظام اور ٹیپو سلطان کے مابین کرنول کا
جھگڑا کھڑا کر دیا۔ میسرالم نے اس کام میں ریزیڈنٹ کی امداد کی اور
بڑے وثوق کے ساتھ نظام کو یقین دلایا کہ ٹیپو نے کرنول پر قبضہ

۲۵
 کر لینے کا پورا سامان کر لیا ہے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں
 ارسطو جاہ بھی پونا سے چھوٹ کر آگئے اور انہوں نے بھی اپنی قوت
 اسی جماعت کی تائید میں شامل کر دی جو ٹیپو سلطان کے ساتھ نظام کے
 اتحاد کی مخالفت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہوتے ہوئے
 رہ گیا۔ ٹیپو کے وکلاء کا کام نامراد واپس ہو گئے اور انگریزوں کی
 واپسی کا حکم واپس لے لیا گیا۔

انگریزوں سے از سر نو اتحاد

اس موقع پر قدرت نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا۔ مارچ ۱۷۹۶ء
 میں موسیٰ رجمو مر گیا اور اس کی جگہ ایم پیروں (Meperran) متھرا
 جو اپنے پیشرو کی سی قابلیتیں نہ رکھتا تھا۔ ان واقعات نے دفعۃً حالات
 رخ کو بدل دیا اور ہمیشہ کے لئے بدل دیا۔ نظام کی مرٹوں سے پہلے
 ہی دشمنی تھی اب انگریزوں کی چالاکی سے ٹیپو سلطان کے ساتھ بھی
 ٹھٹھن گئی۔ اتنے دشمنوں میں تنہا اپنی سلطنت کا وجود قائم رکھنا ان کیلئے
 مشکل تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ انہی بیوفادوستوں کی طرف رجوع
 کیا جو محض اپنے فائدہ کے لئے دوستی کرنے کے عادی تھے۔ انگریز ٹیپو کا
 سر کچلنے اور اس کے بعد مرٹوں کا استیصال کرنے کے لئے اس کے دل سے
 آرزو مند تھے۔ وکن میں انہی ساری سیاست کا محور ہی ایک نقطہ تھا کہ
 نظام سب طرف سے کٹ کر صرف ہماری ہی دوستی پر چھروسہ کرنے لگے جیسا کہ

۲۶
 لارڈ ولزلی نے پور ڈائن کنٹرول کو کھٹا تھا کہ اس زمانہ میں انگریزی قوم کیلئے
 بہترین پالیسی یہی تھی کہ نظام کے وزن کو ہندوستانی طاقتوں کے پلٹرے
 میں شامل ہونے سے روک دیں چنانچہ ٹیپو کی طرف سے نواب کے انحراف
 طبع کو دیکھتے ہی انگریزوں نے دوستانہ اتحاد کی درخواست پھر پیش کی
 اور ستمبر ۱۷۹۸ء میں ایک جدید تہ نامہ رقم پذیر ہوا جس کی رو سے
 انگریزوں کی جمعیت غلبندی (Subsidiary Force) کو
 مستقل کر دیا گیا۔ اسکی تعداد بڑھا کر چھ پلٹنوں تک کر دی گئی۔ اس کے لئے
 سرکار نظام کے خزانہ پر ۲۴۱,۶۱۰ روپیہ سالانہ کا بار ڈالا گیا اور اس کے
 سپرد یہ خدمت کی گئی کہ نظام کی ذات اور انکی سلطنت کی حفاظت کرے
 اور ریاست کے باغی سرداروں کی سرکوبی کرے۔ مگر یہ شرط لگا دی گئی کہ
 چھوٹے چھوٹے کام اس سے نہ لئے جائیں گے اور نہ مالگداری وصول کرنے
 کے لئے سبب دی کا کام اس سے لیا جائے گا۔ اور نہ مکینے کے دوستوں کے خلاف
 اس کو استعمال کیا جائے گا۔ اس کے عوض حکومت نظام نے وعدہ کیا کہ اس
 فوج کے پہنچتے ہی فرانسیسی فوجوں کو منتشر کر دیگی اور آئندہ کسی فرانسیسی کو
 اپنے ہاں ملازم نہ رکھے گی۔ اور نہ کسی یورپین کی خدمات مکینے کی ضمانت دی
 کے بغیر حاصل نہ کرے گی۔

اس تہ نامہ پر دستخط ہونے کے بعد ہی مکینے کی فوجیں حیدر آباد پہنچ گئیں
 فرانسیسی افسروں کے ماتحت نظام کی باقاعدہ فوج کو زبردستی منتشر کیا گیا۔
 اور جتنے فرانسیسی سرکار نظام کے ملازم تھے ان کو گرفتار کر کے یورپ

بھجویا گیا۔ ٹیمپو سلطان کا استیصال

۱۷۹۸ء کا یہ عہدہ انگریزی ڈپوٹسی کی عظیم الشان فتح تھا۔ ٹیمپو سلطان نے انگریزوں سے آخری اور فیصلہ کن مقابلے کے لئے جو زبردست تیاریاں کیں تھیں انہیں اگر نظام الملک کی طاقت اسکے ساتھ شامل ہو جاتی تو ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن انگریزوں نے ایک طرف ان دنوں اسلامی فرمانرواؤں میں بھٹ ڈالی دوسری ۱۵ اہزار کی زبردست فوج کو جو سلطنت اصفیہ کی جنگی طاقت کا سب سے بڑا سہارا تھی ایک قطرہ خوں بہا کے بغیر منتشر کر دیا اور برصغیر کی طرف مملکت اصفیہ کے وسیع ذرائع ضرورت و قوت کو اپنی تائید میں حاصل کر لیا جن سے جنوبی ہند میں ان کو فیصلہ کن قوت حاصل ہو گئی اور جنگی بدولت وہ مرہٹہ اور شیو کی طاقتوں کو فنا کر کے ماراے و بڑھیا چل کے مالک بن گیا۔ بن گئے یہ نتائج تنہا انگریزوں کی چالاکی ہی سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ہندوستان کی اپنی کمزوریوں نے بھی اس میں برابر کا حصہ لیا اس وقت دکن میں تین زبردست طاقتیں تھیں ایک مرہٹے اور دوسرے نظام تیسرے سپورکران تینوں طاقتوں میں جن نے تمام دوراں تنہا ہوتا تو انگریزوں کے پاؤں جیسے مشکل تھے لیکن بد قسمتی سے ان تینوں میں باہم سخت رقابت تھی۔ مرہٹے ہندوستان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ٹیمپو سلطان اپنے مجاہدانہ خلوص کے باوجود ملک گیری کی خواہش سے خالی نہ تھا۔ اور نظام الملک اپنے گرو ویش کے سیاسی حاکم کو دیکھتے ہوئے ان دونوں سپاہیوں پر غماز نہ کر سکتے تھے اس سوچ تھا کہ اس کے عہدہ کی کامیابی یہ ہو کہ انگریزوں کو دکن کی بساط پر خود دکن کے

ہرے لڑائیکا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ پہلے نظام اور مرٹھوں کو ملا کر انہوں نے میسوکا مقبلا کیا پھر نظام کی مدد سے مرٹھوں کا زور توڑا اور اس کے بعد ارادہ تھا کہ نظام کی سلطنت کو بھی ضم کر جائیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا مگر خدا کو اس وقت اسلامیہ کا بقا مقصود تھا اس لئے ساری بلا صرف برابر پڑ گئی اور اسلام کی عظمت و فتہ کا نشان اس ملک میں محفوظ رہا۔

واقعات کے سلسلہ کو جوڑتے ہوئے اب ہم اس مائے پر پہنچتے ہیں جبکہ انگریزوں نے اپنی تدبیروں کا جال کھل کرنے کے بعد اطمینان کے ساتھ پور سلطان کا خاتمہ کر دیا نواب آصف شاہ سے معاہدہ ہو نیکی بعد ہی ۱۷۹۹ء میں میسور سے جنگ چھڑ گئی ٹیپو سلطان اپنی تمام تدبیروں میں کام ہو چکا تھا تنہا اپنی فوجی قوت سے مقابلہ نہ کر سکا اور آخر اپنے منصوبوں کی تکمیل میں جان لڑاتے ہوئے شہید ہو گیا اس کے بعد اڑتے انصاف ملک کو نظام اور کمپنی کے درمیان مساویانہ تقسیم ہوتا چاہئے تھا مگر لارڈ ولزلی نے نظام کو صرف ۶۰۷۳۳۲۲ ہن کا ملک دیا اور میسور کی ریاست ارجکان میسور کے قدیم خاندان کے سپرد کر دی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ میسور کو تقسیم کرنے کی صورت میں لارڈ ولزلی کو اندہ تھا کہ نظام کے ہاتھ ایسے مضبوط قلعے آجائیں گے جن سے برطانیہ راجد ہمیشہ خطرے میں رہے گی

نتیجہ عہد کا معاہدہ

اس خرتشے سے نجات پانیکے بعد کمپنی کی سیاست کلج مرٹھوں کی طرف پھر گیا اور اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے دوسری طرف نظام کی سلطنت میں میسور کی دو لڑائیوں سے جو افزائش ہو گئی تھی اس کا تذکرہ بھی ضروری تھا تیسری طرف انگریز سلطنت کے مزید استحکام کیلئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ ہندوستانی ریاستوں میں باہم کسی قسم کے تعلقات باقی نہ رہیں کیونکہ ان کے اس کے تعلقات

۲۹
یہ اندیشہ تھا کہ شاید وہ کبھی باہم متحد ہو کر کمپنی کی توسیع مملکت میں فراجم ہوں۔ ان غرض
سہ کا تہ کو پیش نظر رکھ کر لارڈ ولزلی نے نظام سے ایک نئے معاہدہ کیلئے گفت و شنید
شروع کی اور آخر ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو ایک عہد نامہ مرتب ہوا جس نے انگریزی حکومت کے
ساتھ نظام کے تعلقات کو ایک نئی بنیاد پر قائم کیا اس عہد نامہ کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) دونوں سلطنتوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی تیسری طاقت ان میں سے کسی
ایک پر حملہ کرے گی تو دونوں ملکر ان کا مقابلہ کریں گی۔ نیز برٹش گورنمنٹ نے عہد کیا کہ
وہ کسی طاقت کو نظام کے ممالک پر حملہ نہ کرنے دیگی اور خود اپنے مقبوضات کی طرح
نظام کے مقبوضات کی بھی حفاظت کریں گی (جنگ کھڑے کے موقع پر نظام اسی قسم کے
اتحاد کے خواہشمند تھے مگر چونکہ اس وقت میسور کی مہم پیش نظر تھی اس لئے مرہٹوں
خوش رکھنے کے لئے ایسا اتحاد کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔

(۲) اس مدافعت کے کام میں کمپنی کی مدد کرنے کیلئے طے ہوا کہ جمعیت نعلبندی
(Subsidiary Force) میں متقل طور پر وہ پلٹوں کا اضافہ کر دیا

جائے (یعنی کل ۸ ہزار فوج رکھی جائے)

(۳) اس فوج کے مصارف ادا کرنے کیلئے نظام نے وہ تمام ملک کمپنی کے سپرد کیا
جو ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۹ء کی جنگ ہائے میسور میں ان کے ہاتھ آیا تھا اور جسکی سالانہ
آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ تھی۔

(۴) کسی تیسری طاقت سے جنگ چھڑنے کی صورت میں نظام نے وعدہ کیا کہ
جمعیت نعلبندی کی ۶ پلٹوں کے علاوہ وہ خود اپنی فوج میں سے ۱۵ ہزار سپاہی
موجود سازد سامان گورنمنٹ کی مدد کے لئے بھیجیں گے۔

۳۰
(۵) نظام نے عہد کیا کہ وہ کمپنی کی اطلاع کے بغیر کسی دوسری طاقت کو کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں گے۔ اس کے عوض کمپنی نے عہد کیا کہ وہ نظام کی اولاً ان کے اعزہ اور ان کی رعایا اور ان کے ملازموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گی جس کے حق میں نظام کے اختیارات مطلق ہوں گے۔

(۶) دوسری طاقتوں سے حکومت نظام کی منع ہونے کی صورت میں کمپنی کی حکومت کو فیصلہ کرنے کا کامل اختیار ہو گا۔

(۷) کمپنی نے وعدہ کیا کہ اگر شورا پورا و گدوال کے زمیندار یا نظام کے دوسرے ماتحت سرداران کے جائز حقوق ادا کرنے سے احتراز کریں گے یا ان کے مالک محروسہ عذر و فتنے برپا کریں گے۔ توجرم کی حقیقت کو اچھی طرح معلوم کرنے کے بعد جمعیت نعلبندی انکو گونسا کرنے کیلئے ہر ماسٹین کی افواج کے ساتھ شرکت عملی کرے گی۔ اس معاہدہ کی اکثر شرائط ایسی تھیں جن کو انگریزی حکومت نظام سے تسلیم کرنے کے لئے عرصہ سے بے چین ہو رہی تھی۔ خصوصاً پانچویں اور چھٹی شرط کی انہیں خاص ضرورت تھی تاکہ نظام برٹش سلطنت کی حمایت (Protection)

قبول کر کے اپنی خارجی آزادی سے دست بردار ہو جائیں۔ نومبر ۱۷۹۹ء میں جب نواب غفران آباد میر نظام علی خاں تخت بہار تھے اور زندگی کا بھرپور سہ نہ رہا تھا تو نواب سکند جہا کے سامنے بھی شرائط پیش کی گئی تھیں اور ان سے صداقت مانگ لیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ انکی مندر نشینی کی تائید ضرور کرے گی کہ اس کی کسکی ہو کہ ان شرائط کو قبول کریں

۱. Aitchisons Treaties and Engagements Vol. IX. p. p. 67-73.

۲. Wellington's Despatches May, 19-1803.

میر نظام علی خاں کا انتقال اور وصائب کا آغاز

اگست ۱۸۴۲ء میں نواب میر نظام علی خاں کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ نواب سکندر جاہ بہادر سند نشین ہوئے غفران آباد کی آنکھ بند ہوتے ہی انگریزوں نے دارالمہام سلطنت اسطو جاہ سے ساز باز کر کے نواب سکندر جاہ کو بے بس کر دیا تھا مگر یہاں بھی نواب اسطو جاہ مر گئے تو انگریزوں کو قدم جانے کا پورا موقع مل گیا۔ اور انہوں نے اپنے پرانے دوست میر نظام کو جنہوں نے دکن میں انگریزی فوج کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ کوشش کی تھی اور جن کو لارڈ کلاؤٹ اس نے نواب غفران آباد کی زندگی میں وزارت امور خارجہ کا عہدہ تسلیم کیا بعد ازاں دلوئے کا ارادہ کر لیا تھا۔ دارالمہامی پر مامور کر دیا گیا تو انگریزی حکومت کو دارالمہام کے انتخاب اور تقرر کے مسئلہ میں ہلکے سہ کار نظام کے کسی داخلی مسئلہ میں بھی مداخلت کا کوئی حق نہ تھا لیکن اگر ناجائز فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ملتا ہو تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا انگریزی ڈپلومیسی میں گناہ ہے اس لئے انگریزی سلطنت نے معاہدہ پانیپتوں کو بالائے طاق رکھ کر سرکار اصفیہ کے اس خالص اندرونی مسئلہ میں پہلی مرتبہ مداخلت کی ابتدا کی اور میر عالم بہادر کے حق میں اپنا پورا زور صرف کر دیا پر کیش ریڈنٹسٹرسل لکھتا ہے کہ :-

میر نظام علی خاں عظیم الامراء کے انتقال کے بعد ہم نے نظام پر پیر علم کو مسلط کر دیا۔

۳۲
لیکن اسی ریل نے اپنے ۲۴ نومبر ۱۹۸۱ء کے ایک مراسلہ میں میر عالم کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

” بلاشبہ وہ پبلک معاملات میں بڑی قابلیتوں کا مالک تھا مگر ان خوبیوں سے قطعاً عاری تھا جو اعلیٰ داعی قوتوں کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ ہر صفت میں کینہ پرور اور سنگدل تھا اس نے نہ کسی احسان کو یاد رکھا اور نہ کسی قصور کو بھلایا اگرچہ وہ سخاوت کے اظہار کا شوقین اور ہر لغزیزی کا طلبگار تھا مگر اس کے دل میں اپنے انہائے نوع کے لئے نہ منفرداً نہ مجتہداً کوئی جذبہ بھڑک رہا تھا۔ اس کے احوال اور اس کی قابلیتوں نے اسکو اپنی حکومت کیلئے عمدہ کام کی اتنی قدرت بھی پہنچائی تھی جتنی اس حکومت کے کسی لازم کو بھی حاصل نہیں ہوئی مگر اس نے بہت سی خرابیوں کو بڑھا دیا اور کسی ایک کو بھی کم نہ کیا، اس کا دور حکومت زیادہ تر نظام سے اقتدار چھیننے میں گذر گیا۔“

یہ اس دیوان کی خصوصیات تھیں جس کو انگریزی حکومت اپنی اغراض کیلئے حیدرآباد کے منصب وزارت کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھتی تھی۔ مگر انگریزوں کی خوش قسمتی سے معاملات صرف یہیں تک نہیں تھے بلکہ انہیں اپنا اثر بڑھانے کے لئے اس کے بعد بہم واقع ملتے چلتے گئے۔ ۱۸۵۷ء میں میر عالم نے ہمارا جہد و لال کو اپنا پیش کار بنایا۔ ۱۸۵۷ء میں میر عالم کا بھی انتقال ہو گیا اور منصب وزارت کے لئے دو امیدوار آگے بڑھے۔ ایک شمس الامراء کیبر دوسرا غیر الملک جو میر عالم کے داماد تھے۔ لارڈ منٹو نے شمس الامراء کی

۳۳
سفارش کی مگر نیرالملک نے ہمارا جہنڈ دلال سے بجلف شرعی عہد کیا کہ اگر
ابھین یوانی بلجائے تو وہ تمام اختیارات ہمارا جہ کے سپرد کر دیں گے اور خود کسی
معاملہ سے سروکار نہ رکھیں گے۔ خود انگریزی سلطنت نے بھی نیرالملک کے تقدر کو اس
شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ وہ تمام اختیارات ہمارا جہنڈ دلال کو دیدیں یا چنانچہ
اسی کے موافق عمل درآمد ہوا۔ اور ہمارا جہ کو سیاہ و سفید کے اختیارات مل گئے جنہیں
وہ ۱۸۴۳ء تک پوری مطلق الخانی کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔

اس زمانہ سے ریاست کے مصائب کا ایک ایسا المناک اور اتم انگزدہ
شروع ہوا جس سے اس کا زندہ اور سلامت بچ کر نکل آنا معجزہ سے کم نہیں ہے۔ یہاں
اس دور مصائب کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ
اس دور کی تین نمایاں خصوصیات تھیں ایک یہ کہ ریاست کی اندرونی معاملات
میں انگریزی حکومت کو مداخلت کا پورا موقع دیا گیا اور انگریزی ریڈیٹ کی
خواہشات پر ریاست کے مفاد کو قربان کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ ریاست کے
انتظام کو نا اہل لوگوں پر چھوڑا گیا اور ذمہ دار عہدوں کے لئے اہلیت کا معیار
قابلیت کو نہیں بلکہ نذرانوں اور شخصی تعلقات کو قرار دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ
داخل و مخارج کا توازن باقی نہ رہا اور قرض لیکر خسارہ کو پورا کرنا ریاست
کی مالی پالیسی کا ایک مستقل جزو بن گیا حیدرآباد میں کیا مختصر نوٹیم پھر نے
۱۷۹۵ء میں قسٹنٹن الہاد حیدرآباد کے اکابر میں سے زیادہ یورپی تہذیب کی طرف مائل تھے
اسی لئے گورنر جنرل کی نظر ان پر پڑی لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انگریزی غرض
کے لئے نیرالملک سے زیادہ مفید تھے ۱۷۹۵ء تاریخ رشید الدین خانی ص ۶۹

۳۴
 ساہوکارہ کی دوکان کھول رکھی تھی جس سے ریڈینسی کا گہرا تعلق تھا اس سے
 ۲۴ فیصدی تک کی بھاری شرح سود پر رقمیں لی جاتیں اور انہیں زیادتی کیسے
 خرچ کیا جاتا تھا۔ اس طرح ۱۸۳۳ء تک ریاست ایک کروڑ ۱۶ لاکھ روپیے کی قرضد
 ہو گئی جسے بھگت نے کی یہ صورت اختیار کی گئی کہ شاہلی سرکار کا پیشکش ۷ لاکھ روپیہ
 سالانہ انگریزی حکومت کو ہمیشہ کے لئے معاف کیا گیا اور اس کے عوض یہ قرض
 اس نے اپنے ذمہ لے لیا اس کے بعد دوسرے ہماجنوں سے قرضیں قرض لی جاتی
 رہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے نواب سکندر جاہ نے اپنی زندگی میں ریاست کو
 ایک کروڑ روپیہ دیا اور ان کے بعد نواب ناصر الدولہ نے ۸ لاکھ روپیہ اپنے
 پاس سے دیا۔ لیکن اس کے باوجود ریاست کی قرضداری کا یہ حال تھا کہ جب
 ۱۸۳۳ء میں ہمارا جہد و مال نے استعفا دیا تو خزل فریزر کے بیان کے
 مطابق تمام قرضوں کو ادا کرنے کے لئے ریاست کو دو کروڑ روپیہ کی ضرورت
 تھی اس کے علاوہ بہت سے ایسے ناجائز مصارف کا بار ریاست کے خزانہ پر
 پڑا ہوا تھا۔ جسکی بدولت آخر ملک کا ایک قیمتی حصہ ریاست کو دینا پڑا۔

سیاسی مرتبہ میں کمی

اس بد انتظامی اور کمزوری کا راست نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست کے سیاسی
 مرتبہ کو سخت نقصان پہنچا۔ انگریزی حکومت کا اصول تو یہ ہے کہ "ملاقوت کے ساتھ"
 سبکدہری اور کمزور کے سامنے سرگرائی، جب تک نواب غفران مآرب

۳۵
میر نظام علیہاں کے عہد میں ریاست کی بنیاد مضبوط تھی، انگریزی حکومت
انکی شہانہ خود مختاری کا پورا احترام ملحوظ رکھتی تھی اور ان کے اندرونی معاملات
میں دخل دینے سے کامل اجتناب کرتی تھی۔ سفارتی تعلقات میں دونوں مملکتوں
کے درمیان کامل مساوات تھی بلکہ ایک باہکڈا حکومت ہونے کی حیثیت سے
انگریزی حکومت کے لئے ایسے آداب مقرر تھے جو کمتر درجہ کے حلیف کے لئے
موزوں ہوتے ہیں لیکن نواب غفران آباد کی آنکھ بند ہوتے ہی جب
ریاست کو کھن گننا شروع ہوا اور اس کی اندرونی طاقت منہمک ہو گئی
تو انگریزی حکومت کا رویہ بھی بدلنے لگا۔

غفران آباد کے عہد تک دونوں مملکتوں میں برابر کے سفارتی تعلقات
تھے۔ حیدر آباد میں رزیدنٹ اور کلکتہ میں ایچی رہتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد
نظامیہ میں جب میرزا عبداللطیف کی جگہ یاد اللہ کو ایچی بنا کر بھیجا گیا تو
گورنر جنرل نے ان کو ناپسند کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ واپس بھیج دیئے
گئے۔ ان کے بعد پھر سفارت موقوف ہوئی اور حیدر آباد کے رزیدنٹ کے لئے
دونوں عہدے جمع ہو گئے۔

غفران آباد کے عہد تک رزیدنٹ کو ریاست کے اندرونی معاملات
میں دخل دینے کی جرات نہ ہوتی تھی مگر ان کے بعد نواب سکندر شاہ کے عہد
میں پہلے دیوان اور پھر شاہ کے تقریر کے سلسلہ میں رزیدنٹ نے علاقہ میں ان کی
پھر رفتہ رفتہ ملک کے انتظامی معاملات میں اس کا دخل بڑھتا رہا یہاں تک کہ
مالگذاری کے بند و بست اور عہدہ داروں کے تقریر تک رزیدنٹ کا حکم

بالا تر پہنے لگا اور بادشاہ کے خلاف خود اس کے ملازموں کی پشتپائی کرنا
انگریزی حکومت کی پالیسی کا مستقل جزو بن گیا۔ حد یہ ہے کہ نظام سے یہاں
تک کہہ دیا گیا کہ :-

”ہمارا راجہ چند دلال کی علیحدگی سے دونوں سلطنتوں کے تعلقات میں فرق
آجائے گا..... اگر نہ پائمنس کے معاملات کا انصرام کسی ایسے ذریعے
سپرد کیا گیا جس پر پٹرش گورنمنٹ بھروسہ نہ کر سکتی ہو تو ممکن ہے برٹش
گورنمنٹ کے لئے یہ ناگزیر ہو جائے کہ وہ اپنے مفاد کی نگہبانی کسی دوسرے
ڈھنگ سے کرے بجائے اس طریقہ کے جو اب تک کافی پایا گیا ہے“

اس سے ریاست میں جو اتبری پھیلی اس کا بیان خود انگریزی رزٹرنٹ
کرنل اسٹوارٹ (.....) کی زبان سے سننا چاہئے جو اس نے
۱۸۳۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کو دکھا تھا :-

”جو لوگ اس دربار میں ۳۰ سال سے ہماری پالیسی کو دیکھ رہے ہیں انہوں
نے دیکھا ہے کہ ہم کس طرح خود اپنے بنائے ہوئے آدمیوں کو وزارت دلاتے
ہیں اور خود ان کے بادشاہ کے خلاف انکی حمایت کرتے ہیں کس طرح ہم نے
سکا رام دھوج پر قابو چل کر لیا ہے اور کس طرح ہم ملک کے دیوانی انتظام
پر حاوی ہو گئے ہیں وہ اس حقیقت میں مشکل سے کوئی شک کر سکتے ہیں اور
سب سے کم خود نظام کو اس میں کوئی شک ہو سکتا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کے اس
ملک کا واقعی حکمران سمجھ لیا ہے بہت سی خرابیاں جو ریاست میں جو ہیں

۳۷
 بلا ریب ہماری بے ضابطہ مداخلت کے ناگزیر نتائج ہیں اس لئے بات
 مشکل ہی سے درست ہو سکتی ہے کہ نظام اور ان کے دیوان کو جیل میں
 وہ آج کل ہیں ان خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیا جائے میں نہیں سمجھتا کہ
 وہ ان کو درست کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ درحقیقت زیادہ مناسب
 یہ ہے کہ ہم خود ان خرابیوں کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں کیونکہ انہیں رفع
 کرنے کی قدرت ہم اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔

اس قسم کا اعتراف سرچارلس مٹکاف نے بھی کیا ہے جو برطانیہ کی کمری
 کتاب (بلیو بک) میں شائع ہو چکا ہے ۱۷

نواب سکندر جاہ کے زمانہ تک ظاہری ادب آداب بدستور باقی تھے۔
 گورنر جنرل اپنے آپ کو سرکاری مراسلات میں "نیازمند" لکھتا تھا اور نظام
 اپنے لئے "مابدولت" کا لفظ استعمال کرتے تھے ۱۸۲۹ء میں جب ان کا انتقال
 ہوا اور نواب ناصر الدولہ انہی جگہ مندر نشین ہوئے تو ان کے ساتھ مساویانہ خط و
 کتابت شروع ہو گئی۔ میر عالم کے زمانہ میں دیوان ریاست سے گورنر جنرل کی
 خط و کتابت برابر کے دوستوں کی سی ہوتی تھی مگر ۱۸۴۷ء میں جب میراج الملک
 نے دیوانی کے عہدہ پر سرفراز ہو کر انہی آداب و القاب کو استعمال کیا تو گورنر جنرل
 کی طرف سے صاف ٹھکرایا گیا کہ ۱۸

ہندوستان کے حالات اب اس وقت بہت بدل چکے ہیں جبکہ ان کے پیش و
 میر عالم کو یہ القاب۔ مہر بس پیشتر کئے گئے تھے جنہیں پشال کے طور پر پیش کیا

جاتا ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل اور حیدر آباد کے دیوان کی اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ گورنر جنرل کے ہائیڈر کو اس طریقہ سے خطاب کیا جائے جو ایک زیر حاکمیت اور راجا دپاٹے والی ریاست کے وزیر کے ساتھ مساویت کو پہنچتا ہو۔^{۱۵}

اس کے بعد رفتہ رفتہ زریڈنٹ نے بھی ادب آداب کو خست کرنا شروع کیا۔ نواب ناصر الدولہ کے ابتدائی زمانہ میں جنرل فریئر شکایت کرتا ہے کہ یہاں کے آداب بہت تکلیف دہ ہیں۔ مگر انہی کے آخری زمانہ میں جب کرنل لوز زریڈنٹ ہو کر جاتا ہے تو وہ دربار میں نہایت گستاخانہ طرز عمل اختیار کرتا ہے صاحب تاریخ رشید الدین خانی لکھتا ہے کہ:-

”چونکہ جان لو صاحب نے دربار گذشتہ و حال میں مثل سفیران سابق کے لحاظ اور آداب حضور کا نشست برخواست اور کلام میں نہ کیا اکثر گستاخاں اور بیباکانہ کلمات سے پیش آئے اس سے خود بدولت اپنے نزدیک چندے بہت

آزادہ خاطر رہے اور خلیے دل پر لال گذرا (صفحہ ۳۸ و ۳۹)

نواب فضل الدولہ بہادر کے زمانہ تک بھی بہت کچھ پرانے نیار مندانہ آداب کی پابندی باقی تھی۔ لیکن نواب میر محبوب علی خاں مرحوم کی کم سنی کے زمانہ سے لے کر فریئر لکھتا ہے کہ نظام سے ملاقات بہت

۱۵ Memoirs. p. 217.

مرسم و تکلفات کی فقہانہ ہوتی ہو اور زریڈنٹ سے ایسے واقعہ پر جن آداب کی پابندی کی جاتی ہو وہ اس راجا کیستہ جائے ابتدائی تو ملقا کے زمانہ سے راجا چلے آئے ہیں لیکن کچھ ایسی عیسائیوں کی سزا حکومت علیا و ریڈی ہائیں کی موجودہ اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے زریڈنٹ کی نمائندہ پوزیشن کے مناسب حال نہیں دیکھتا ایموئرز آف فریئر (صفحہ ۱۹۳)

۳۹
ان میں کمی شروع ہوئی یہاں تک کہ اب زرڈینٹ ان تمام درباری آداب سے
مستثنیٰ ہو چکا ہے جو ریاست میں رائج ہیں۔

لیکن اس دور انحطاط میں سب سے زیادہ ریاست کو جو نقصان پہنچا
اس کی اصلی المناک داستان کچھ دوسری ہے جس کو اختصار کے ساتھ آگے بیان
کیا جاتا ہے۔

حیدرآباد کی جنگ کا قیام

۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ۷ کے مطابق جمعیت نعلبندی کے فرائض مقدر
کئے تھے کہ وہ ان لوگوں کی سرکوبی کرے گی جو سرکار نظام کے جائز مطالبات
ادا کرنے سے گریز کریں گے۔ یا سرکار کے مالک محروسہ میں بد امنی پھیلانے کے لیکن
اس معاہدہ کے گیارہویں باب کے بعد جب شورابور کے زمیندار نے خراج دینے سے
انکار کیا تو کمپنی نے فوج بھیجنے میں بہت جیلہ و جہت کی اور اہمیت بعد اسے بھیجا
بھی تو ایسی شرائط پر جو خلاف معاہدہ تھیں اس کے بعد پہلی جنگ مرہٹہ پیش آئی
جس میں نظام نے معاہدہ کے مطابق ایک زبردست فوج سے کمپنی کی مدد کی اور
اس نے بہت مفید خدمات انجام دیں لیکن اس فوج میں بہت سے عیوب نکالے گئے
اور کہا گیا کہ اس نے کچھ کام نہیں کیا۔ ان چالوں کا مقصد یہ تھا کہ نظام کو ایک
فوج خود اپنی کے خراج پر رکھنے کی صلاح دی جائے چنانچہ ۱۸۵۷ء میں گزرنے والے نظام نے
اصرار کیا کہ وہ ایک نئی فوج کمپنی کے زیر انتظام قائم کریں جس کا کام کشن زمینداروں اور غریبوں

سرکوبی کرنا ہو۔ یہ بالکل وہی خدمت تھی جس کو انجام دینے کے لئے ۶۳ لاکھ مالک وکیل نظام نے جمعیت نعلبندی قائم کرائی تھی اس لئے انہوں نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کمپنی کی حکومت نے اس پر یہاں تک زور دیا کہ اتحاد کو منسوخ کرنے کی دھمکی دیدی اور نظام کو ڈرایا گیا کہ اگر اتحاد منسوخ ہو گیا تو آپ کی ریاست کمپنی کے مقبوضات سے ملحق کر لیجائے گی۔ مگر جب دھمکیوں سے بھی کام نہ چلا تو ۱۸۱۳ء میں انہری ریل رزڈینٹ اور چار اچند و لال پیشکار نے باہمی اتفاق سے دوسرا سواریوں کی ایک فوج قائم کر لی جس کا نام ریل بریگیڈ رکھا گیا۔ بعد میں بڑھاتے بڑھاتے اسکو چار خند کر دیا گیا اس کے اخراجات کے لئے تقریباً ۴۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا بار ریاست کے خزانہ پر ڈالا گیا اور یہی فوج حیدر آباد کنٹینٹ بن گئی۔ اس فوج کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ جمعیت نعلبندی کمپنی کے زیر اثر ہے اور ضرورت کے وقت اسکی خدمات فوراً حاصل نہیں کیجا سکتیں اسلئے ایک باضابطہ فوج خود ریاست کے زیر حکم رہنی چاہئے تاکہ اس سے فوراً کام لیا جاسکے۔ لیکن یہ شخص ایک دھوکہ تھا واصل یہ فوج بالکل رزڈینٹ کے ماتحت تھی۔ ریاست کو اس پر مطلق اختیار نہ تھا۔ رزڈینٹ ہی اس کا افسر علی تھا اسی کو عزل و نصب اختیار تھا اسی کی اجازت پر اس کی نقل و حرکت منحصر تھی اور اس کے حکم کے بغیر کنٹینٹ کے ایک سپاہی سے بھی ریاست کی کوئی خدمت نہیں لیجا سکتی تھی۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس کنٹینٹ کا قیام نظام کی اجازت کے بغیر عمل میں

آیا۔ اور نظام کی مرضی کے خلاف اس کو قائم رکھا گیا ہے ریکارڈ پر کافی ثبوت موجود ہے۔ لارڈ مٹکاف نے اپنی ۱۶ مارچ ۱۸۳۲ء کی یادداشت میں صاف لکھا ہے کہ

”کنینٹنٹ فورس و حقیقت ہمارے اور راجہ چندولال کے درمیان

ایک مشترکہ کاروبار ہے یہ

ممبر فریڈرک کری جولارڈ ڈیوزی کی کونسل کا ایک رکن تھا ۲۱ اپریل ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

”کنینٹنٹ دراصل مسٹر رسل رزیرنٹ اور اس زمانہ کے وزیر چندولال کی

باہمی پخت و پز کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں

اس انتظام کے لئے نظام اور گورنمنٹ آف انڈیا دونوں کی جانب سے

کوئی راست منظوری ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔“

۱۸۲۶ء میں جب کنینٹنٹ کی تنخواہیں ادا کرنے کے لئے نواب سکندر جاہ

کے ذاتی خزانہ سے روپیہ مانگا گیا تو انہوں نے اس کے دینے سے صاف انکار کر دیا۔

۱۸۳۳ء میں نواب ناصر الدولہ نے کنینٹنٹ کی بقا کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔

۱۸۳۳ء میں انہوں نے کرنل اسٹوارٹ (رزیرنٹ سے باضراکما کہ جطیح میرے دیوانی

۱۔ Hyderabad Affairs Vol. 11-p. 247.

۲۔ ” ” ” p. 623.

۳۔ ” ” ” p. 374.

انتظام سے انگریز انسپر ٹپائے گئے ہیں اسی طرح میری فوج سے بھی ان کو ہٹایا جائے۔ میری فوج کو اب کنٹینٹ کی حاجت نہیں ہے۔ جنرل فرنیئر (ریزیڈنٹ) اپنے ۲۶ جولائی ۱۸۴۲ء کے مراسلہ میں حکومت ہند کو اطلاع دیتا ہے کہ۔

اگر نظام کو یہ محسوس کرنے کا موقع دیا گیا کہ وہ فی الواقع خود مختار ہیں تو پہلا کام جو وہ کریں گے وہ یہ ہوگا کہ کنٹینٹ کی برطانی کا مطالبہ کریں گے جس سے انکی ناراضی معلوم ہے اور جس کے قیام اور دائمی بقا کے لئے کسی موجودہ وقت معاہدہ میں کوئی اثر طر موجو نہیں ہے۔

۱۸۴۳ء میں جب معاہدہ تفویض برار کے لئے برطانی ریزیڈنٹ کرنل لونواب ناصر الدولہ سے گفت و شنید کر رہا تھا تو نواب ناصر الدولہ نے پھر اس امر واقعہ کا اعادہ کیا کہ کنٹینٹ کا قیام نواب سکندر رجاہ کی اجازت کے بغیر عمل میں آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آخری جنگ مرہٹہ (۱۸۱۸ء) کے بعد سے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں ہماری مدد کی ضرورت ہوئی۔ کرنل لونے جواب دیا کہ یہ فوج آپ کے والد صاحب کی اجازت سے قائم کی گئی ہے۔ نواب نے فرمایا کہ ”میرے والد کا نام نہ لویہ کہو کہ ہمارا رجاہ کی اجازت سے قائم کی گئی ہے۔ نواب ناصر الدولہ کے اس استدلال کے جواب میں کرنل لونے خود لارڈ ولہوزی نے اس وقت یہ دلیل پیش کی تھی کہ جب نواب سکندر رجاہ نے ہمارا رجاہ چند دلال کو مختار کر بنا دیا تھا تو ہمارا رجاہ

۱۔ میمورآبیر صفحہ ۹۰ - ۹۱

۲۔ Hyderabad Affairs Vol. p. 576.

۳۔ Hyderabad Affairs Vol. 11 p. 375.

کی منظوری خود نواب کی منظوری تھی لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ سرچارلس سٹاکٹن جیسا مستند اور مقبشر شخص جو نواب سکندر جاہ کے زمانہ میں پانچ سال تک سلطنتِ برطانیہ کا رزیڈنٹ رہ چکا ہے۔ بالفاظِ صریح اس کا اعتراف کرتا ہے کہ انگریزی حکومت نے زبردستی نواب سکندر جاہ کو بے اختیار کیا اور ان کی مرضی کے خلاف ان کے وزیر کو استعمال کرتی رہی۔ ۳۱ اگست ۱۸۵۹ء کی ایک تحریر میں یہ نامور برطانوی مدیر لکھتا ہے:-

”۱۸۵۹ء کے عہدِ زمانہ کے بھی یہی ہے یہ ضروری سمجھ لیا گیا تھا کہ ریاست کا وزیر ہمارے مفید مطلب ہونا چاہیے اور جس اپنے اثر سے اس کی تائید کرنی چاہیے۔۔۔۔۔ ہمارے رزیڈنٹ نے ہربائیٹس (نواب سکندر جاہ) کو ان کی تخت نشینی کے وقت اپنا مقصد صاف بتا دیا تھا۔۔۔۔۔ چنانچہ آرسطو جاہ مرتے دم تک وزیر رہے۔ اور اس تمام مدت میں انہوں نے اپنے آقا یعنی نظام حال کو بے وقعت طعنے بگوش اور مجروح و افتاد رکھا۔ وزیر کی وفات پر نظام نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ معاملاتِ سلطنت کو خود انجام دینا چاہتے ہیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ پھر کوئی مطلق العنان وزیر ان پر مسلط کیا جائے مگر جو انتظام وہ چاہتے تھے اس پر جہازی گورنمنٹ کو اعتراض تھا، ہم نے اصرار کیا کہ ایک وزیرِ کامل اختیار کے ساتھ مقرر کیا جائے ہم نے اپنا حق جتایا کہ وزیرِ جاہ سے وابستہ اور ہمارا منتخب کردہ ہونا چاہیے اور اگر ضرورت ہو تو ہمیں اس کے تقرر پر زور دینا چاہیے مگر انتہائی کارروائی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔“

”میرے عالم جن کو ہم نے منتخب کیا تھا۔ وزیر مقرر کر دیئے گئے اور مرتے دم تک اپنے آقا کی مملکت کے بلا شرکتِ احد سے حکمران رہے۔ نظام نے خود اپنی سلطنت میں اختیارات کا کچھ حصہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر یہ وزیر کو گوارا نہ تھا اور رزٹینٹ اس کی مدد پر تھا۔ آخر نظام شکستہ خاطر ہو کر دست کش ہو گئے۔ اور اس وقت سے انہوں نے سلطنت کے معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ گوشہ عزلت میں افسردہ و غمگین زندگی بسر کرتے رہے اس طرح ہمارے اثر نے خیر آباد کے وزیر کو اس کے اپنے آقا کی مرضی کے خلاف مطلق العنان حکمران بنا دیا برطانی سفاد کی تمام معاملات میں وہ برطانی رزٹینٹ کا تابع فرمان تھا۔ اس کی مخالفت کو ہمارے خلاف دشمنی اور انگریزی سلطنت کے ساتھ ہونائی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔“

”میرے عالم کے انتقال کے بعد نظام نے دوبارہ اپنے امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر بے نتیجہ۔ ان کو ایک وزیر مقرر کرنے پر مجبور کیا گیا اور غیر معمولی انتظام عمل میں آیا کہ نظام کے منتخب کردہ شخص غیر الملک کو عہدہ وزارت دیا گیا۔ مگر یہ شرط کر لی گئی کہ ریاست میں ان کے اختیارات کچھ نہ ہوں گے تمام اختیارات نائبِ وزیر چند دلال کو دیئے گئے جو ہمارے زیرِ اثر تھے۔ چنانچہ اس وقت سے ہماری مداخلت کی بدولت ہمیں وقت خود اپنی سلطنت کے معاملات سے الگ کر دیا گیا؛ وزیرِ عظم بھی اسی طرح الگ بٹھا دیا گیا اور حقیقی وزیرِ کامل طور پر ہمارا تابع فرمان ہو گیا۔“

”اپنے اثر اور عمل و دخل کو بڑھانے کے سلسلہ میں ہمارا دوسرا قدم یہ تھا کہ ہم نے نظام کی فوج کو ہٹا کر اس کی جگہ خود اپنی فوج کو رکھنا شروع کر دیا جو برطانی

اعترافات ہیں جن سے اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہم پہنچتا ہے کہ حیدرآباد کینجٹ نواب مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر کی اجازت کے بغیر قائم کی گئی اور معاہدات کے بالکل خلاف ریاست پر یہ باجھض ایک پیشکار کی رضا مندی سے ڈال دیا گیا جسے خود انگریزی حکومت نے، نہ کہ ملک کے جائز حکمران نے ریاست کا مختار کل بنادیا تھا۔

کینجٹ کی اصلیت

اب رہا یہ سوال کہ اس فوج کے قیام کا اصلی مقصد کیا تھا اور وہ کہاں تک جائز بنیاد پر رکھی گئی تھی سو اس کے متعلق اپنی طرف سے ایک لفظ کہے بغیر میں خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان کے بیانات یہاں نقل کرتا ہوں۔

۲۴ مارچ ۱۸۵۷ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائریکٹر جنرل لائونگٹن نے حیدرآباد کے منصرم رزیدنٹ کرنل کو کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں وہ لکھتا ہے کہ

”میں کچھ عرصہ سے یہ رائے رکھتا ہوں کہ بڑی حد تک ہم خود نظام کی مالی مشکلات کے باعث ہیں ہم نے نظام پر ایسے مطالبات کا بار ڈال دیا ہے جن کے ہم کسی معاہدہ کی رو سے مستحق نہیں ہیں۔ ۱۲ لاکھ روپے سالانہ کے معاہدہ کی بارہویں دفعہ کی رو سے نظام نے اپنے اوپر اس بات کا ذمہ لیا تھا کہ جنگ کے موقع پر وہ ۶ ہزار سپاہی اور ۹ ہزار سوار دیں گے جس کو کینجٹ فورس کا نام دیا گیا تھا یہ فوج رزیدنٹ کی درخواست پر ۱۸۵۷ء میں ہمایا کی گئی اور اس نے مرہٹوں کے خلاف جنگ میں عمدہ خدمات انجام دیں مگر دوسرے سال جو فوج ہمایا کی گئی وہ تھکا داور

اہمیت کے لحاظ سے اتنی ادنیٰ تھی کہ رزٹرنٹ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ نظام کی ملازمت میں برطانوی افسروں کے ماتحت ایک باقاعدہ رسالہ قائم کیا جائے جس سے ان میں اصلاح کا ایک خاکہ منظور کیا گیا اور اس پر عمل درآمد ہوا۔ پھر ۱۸۸۱ء اور ۱۸۸۲ء میں مزید اصلاحات کی گئیں، یہاں تک کہ ۱۸۸۳ء کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کینٹنٹ میں ۲۵۹۲ سوار، ۶۸۳۵ پیدل اور ۹۵۹ یوروپین افسر ہیں جن کا نظام کی حکومت پر ۲۴ لاکھ روپیہ (حالی) سالانہ خرچ ڈال دیا گیا ہے۔ یہ مطالبہ ریاست کی کل آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ ہضم کرتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نظام اس وقت ان رقموں کے قرضدار ہیں جو بٹش گورنمنٹ نے کینٹنٹ کے مصارف کیلئے ان کو قرض دی ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں یقیناً یہ رائے رکھتا ہوں کہ کینٹنٹ کی برطرفی پر غور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ نہ اس کا ابتدائی قیام کسی معاہدہ پر مبنی ہے اور نہ اس کی بقا ہے۔

اس کے جواب میں کرنل ٹوٹ نے ۲۴ جون ۱۸۸۱ء کو ایک خط لکھا جس کے بعض خاص حصے یہ ہیں۔

”میں نے ۱۸۷۸ء میں لاہور ڈاک لینڈ کے پرائیوٹ سکریٹری مسٹر کالون کو جنہم پرکاش کا خط لکھا تھا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ میں اس جرم جیری کے متعلق آپ کی رائے سے کس قدر متفق ہوں جس کا ارتکاب ہم سا ادا سال سنہ

میسو آئیر ز صفحہ ۴۴ ۲ ۱۸

۱۸۷۸ء کی وہی کرنل لوہے جو ۱۸۷۸ء میں حیدرآباد کا رزٹرنٹ بنایا گیا اور جس نے نظام پر فوجی قوت کا دباؤ ڈال کر تعویض برار کے عہد نامہ پر دستخط حاصل کئے۔

حکومت نظام کے ساتھ اعلیٰ آمدنی پر کنٹینٹ کی تخواہ کے لئے ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ
 کا خرچ عائد کرنے کی صورت میں کر رہے ہیں جو دوسرے الفاظ میں خود ہماری
 ہی اغراض کے لئے ہے نہ کہ نظام کی اغراض کے لئے ۱۸۹۷ء سے دکن میں کال
 آسن ہے اور چونکہ ہم صرف حالت جنگ میں نظام کی فوج سے ۶ ہزار پیدل اور
 ۹ ہزار سوار مانگنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے اذ روئے معاہدہ ہم کو اس پوری
 مدت یعنی ۲۰ برس سے زیادہ کی مدت میں کنٹینٹ کے لئے نظام سے ایکروپیہ
 بھی مانگنے کا حق نہ تھا مگر اس مدت میں ہم نے نظام کے خزانہ سے (داسوا اس
 ۲۲ لاکھ کے جواب کنٹینٹ کے سلسلہ میں قرض کے طور پر نظام کے ذمہ واجب الادا
 ۱۱ کروڑ ۲۰ لاکھ حالی کی رقم خلیہ کھینچ لی ہے جس کا ایک بڑا حصہ نظام کے مالک محرو
 سے ہمیشہ کے لئے سپاہیوں اور افسروں کی تزیل ضروری انداز کی صورت میں باہر
 چلا گیا ہے کیونکہ ان سپاہیوں اور افسروں کا ایک حصہ اودھ، روہیلکھنڈ اور دوسرے اقطاع
 ہند سے آیا ہوا ہے جو اپنے پیارے ہوئے روپے کو زلفہ کی صورت میں دور دراز علاقوں
 کو لیجاتے ہیں اور اس طرح یہ دولت کی نکاسی نہ صرف نظام کے خزانہ کو خالی کئے
 دیتی ہے بلکہ ان کی رعایا کو بھی روز بروز مفلس بنا رہی ہے..... مجھے یاد ہے
 کہ میں نے ۱۸۳۱ء میں سرکلون کو بھایا تھا کہ ۱۸۹۷ء سے اب تک موجودہ فوج کا
 نصف حصہ ۲۰ لاکھ کے خرچ پر دیہی خدمات حکومت نظام کے لئے انجام دے سکتا تھا
 جو موجودہ فوج ۴۰ لاکھ کے خرچ سے انجام دیرہی ہے۔ برسوں سے کنٹینٹ
 کے ایک بڑے حصہ سے کوئی کام نہیں لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں معاہدہ کی
 رو سے نظام کو کمپنی کی جمعیت نعلبندی سے ہر وہ خدمت لینے کا حق ہے

جو کنٹریکٹ سے لی جاتی ہے یا لیا جاسکتی ہے۔ اب دیکھیے کہ اگر ۱۹۱۷ء سے صرف
 ہنگامہ کی فوج رکھی جاتی تو کیا ہوتا۔ بالکل ظاہر ہے کہ اتنا کم نظام کے خزانے
 سے اس رقم کی بہ نسبت جو اتنا کم ہم نے وصول کی ہے کہ کروڑ کم وصول کرتے
 یہ فرق تو نظام کے حق میں ہوتا۔ اور ایٹ انڈیا کمپنی کے حق میں کیا ہوتا؟ میری
 رائے یہ ہے کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ۱۹۱۷ء سے ہم نے ایک مرتبہ بھی کنٹریکٹ کو نظام
 کے حدود سے باہر استعمال نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد اس بارے
 میں اور کیا کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ ویسی حکومت اپنے بھاری قرضوں اور غلامی
 خزانہ کے باعث کیوں قریب قریب مفلح ہی ہو گئی ہے؟

کورٹ آف ڈائریکٹرز کا ایک دوسرا رکن سر سہری دلاک اپنی ۹ نومبر ۱۹۱۷ء
 کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

”نظام کی بہترین بے قاعدہ فوج کو رفتہ رفتہ ہم نے اپنی نگرانی میں ایک
 باقاعدہ کنٹریکٹ کی صورت دیکر فوائب کو ان لوگوں کی خدمات سے محروم
 کر دیا جو ان کے ذاتی محافظ تھے اور جن کی قوت تحصیل اور پولیس کے امور
 مالگنداری وصول کرنے اور امن قائم کرنے کے کام میں بھروسہ کر سکتے تھے۔ سطح
 ہم نے نظام کو مجبور کر دیا کہ وہ نظم و نسق کو چلانے اور اپنے اقتدار کو بحال رکھنے
 کے لیے بیٹھا فوائب روہیلوں اور عربوں کی ایک ہنایت قابل اعتراف فوج
 بھرتی کریں۔“

۱- میموائر صفحہ ۲۴۸

۲۹ ” ”

۵۷ ۲۶۰ ” ”

۵۰
 سکورٹ کا ایک اور رکن جنرل کا لفیلڈ (Caulfield) لکھتا ہے۔
 ”ہم نے نظام پر ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ کا ایک غیر ضروری خرچ ایک ایکنٹریٹ
 کی پرداخت کے لئے عاید کر دیا ہے جسکی تنظیم و ترتیب ہمارے ہاتھ میں ہے
 اور جس پر ہمارے ہی افسر مقر رہیں اور جس کا وہی کام ہے جو معاہدہ کی رو سے
 جمعیتہ نعلنبندی کے سپرد کیا گیا تھا۔ ہم نے نظام کو جمعیتہ نعلنبندی کی خدمات
 سے ایسے وجوہ کی بنا پر محروم کیا ہے جسکی حمایت کس کی عذر پیش کیا جاسکتا
 کیلئے جسٹ کا بانی سر تھریسل لکھتا ہے کہ :-

”یہ فوج صرف برائے نام نظام کی ملازم تھی اس کو ہر مہینہ ریڈنٹ کے خزانہ
 باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی اور وہ اپنے آپ کو کمپنی ہی کی فوج سمجھتی تھی
 علی اغراض کے لئے یہ فوج بھی ہمارے لئے ایسی ہی تھی جیسی خود ہماری فوج
 اور اس کو بھی ہم اپنی فوج کی طرح کام میں لاسکتے تھے۔
 ۱۸۵۷ء میں جب رسل نے اس فوج کے قیام کی تجویز پیش کی تھی اس
 وقت بھی اس نے اپنے ۲۲ ہولن کے مراسلہ میں صاف لکھا یا تھا کہ یہ فوج جمعیتہ
 نعلنبندی (سب سیڈیری فورس) کو اس محنت سے بچانے کے لئے مطلوب ہے
 جو اسے سرکش رعایا کی سکوبی میں کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ ۱۸۵۷ء کے معاہدہ
 میں نظام نے اسی مقصد کے لئے برٹش گورنمنٹ کو ۶۳ لاکھ کا ملکہ کیر مجیت

میمو آئیر صفحہ ۲۶۰ ۱

۲ Hyderabad affairs Vol. 11. P. 322

۳ ” ” P. 372

تعلیمی قائم کرائی تھی۔
پھر جس وقت کنٹینٹ کو منتقل کیا جا رہا تھا تو خود گورنر جنرل لارڈ ایسٹلر نے
۱۰ نومبر ۱۹۱۹ء کی یادداشت میں یہ الفاظ لکھے تھے۔

”یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ فوجیں اس بادشاہ کی نسبت جس کے خرچ پر رہ رہی
جا رہی ہیں، درحقیقت زیادہ تر ہماری فوجیں ہیں اگرچہ ان کا خرچ نظام
ہیں اور برائے نام وہ انکی طرف منسوب ہیں مگر ان کا ہمارے ذریعے خزانہ
پانا، اور برطانوی افسروں کی قیادت میں رہنا اس بات کی توقع کی
گنجائش رکھتا ہے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان کسی ناچائی کی صورت
میں وہ اپنے ظاہری آقا کے مقابلے میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ اب کیا یہ
عقل و خرد کے مطابق ہوگا اور کیا یہ اس اعتماد کے لئے جو انریبل کمپنی نے
ہم پر کیا ہے مناسب ہوگا کہ ہم ایسی ایک ضمانت کو انصاف کے ایک
اعتقاد کی نکتہ پر قربان کر دیں۔۔۔۔۔۔ یہ بالکل خلاف مقتضائے ریت
ہوگا کہ ہم ضرورت سے زیادہ تہذیب کا خیال کر کے اپنی طاقت میں اس
مفت کے اضافہ کو خواہ مخواہ چھوڑ دیں۔“

۷ ابرجوری ۱۹۲۰ء کو کنٹینٹ کے انگریز افسروں کی تنخواہوں کا مطالبہ کرنے
کی قانونی مشکلات بیان کرتے ہوئے انگریزی رزیڈنٹ فریئر لکھتا ہے۔
”یہ فوج خود صبر و تحمل پرچی رہی ہے اگر اس پر فیصلہ کن اعتراضات کئے گئے تو
خواہ ہم اسکو برقرار رکھنے کے لئے اصرار کرنے پر قادر ہوں مگر ہمیں اپنے اس

اصرار کو موجود الوقت معاہدات کا حوالہ دیکر کسی ایسے سمجھوتہ کو پیش کر کے جو ان باتوں میں ہمارے اور برطانوی انس نظام کے درمیان ہوا اس وقت سبباً مناسب ثابت کرنا مشکل ہوگا اس لئے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اسی تجاویز پیش کرنے سے احتراز کیا جائے۔ جنگویہ دہی ریاست یقیناً حق سبباً مناسب نہیں سمجھتی اور جیسے ایسے مسائل اور تجاویز پیش ہونے کا امکان ہے جو خود اس فوج کے نفس وجود کے متعلق ہوں گے (میمو آئرنز صفحہ ۹۰)

اس کے بعد فروری ۱۸۵۲ء کو پھر لکھا ہے کہ ۱۔

”اگر ہم نے نظام پر یہ اثر قائم ہو جانے دیا تو یہ غیر غلبہ نہیں ہے کہ علاوہ دوسری خرابیوں کے ہم کو اس بزرگ تر خرابی کا مقابلہ کرنا پڑے گا کہ نہ ان کی جانب سے کنٹیننٹ کی برطانیہ کی تجاویز پیش کی جائے گی جس سے ان کی ناراضی معلوم ہے اور جس کے نہ ابتدائی قیام کیلئے کسی معاہدہ میں کوئی نیا موجود ہے اور نہ مسلسل برقرار رکھنے کیلئے ۱۸۵۳ء میں نہ انہیں نے اس فوج کے برقرار رہنے پر فعلاً اعتراضات کئے تھے اور اس پر جو مصارف ہو رہے ہیں

وہ دیوان کی طرف سے ہمہ تن حمایت کے موجب ہیں“ (میمو آئرنز صفحہ ۱۶۵)

خود لارڈ ولیمز نے اسی کنٹیننٹ کی خاطر نظام سے زبردستی ملک پر ارجا کیا۔ اپنی ۲۰ مارچ ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

ان وجوہ کی بنا پر میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ حکومت ہند کو نہ تو معاہدہ ۱۸۵۱ء کی اسپرٹ سے اور نہ الفاظ سے اس کا کوئی حق پہنچتا ہے کہ نظام سے کنٹیننٹ کو اسکی موجودہ شکل میں

قائم رکھنے کا مطالبہ کرے۔

”جہاں تک میرا تعلق ہے میں ایک ایسا مندر آدمی ہونے کی حیثیت سے رزیدنٹ کو یہ ہدایت دینے کے لئے ہرگز راہنی نہیں ہوں کہ وہ نظام جواب میں یہ کہہ کہ کنٹینٹ ۱۸۵۲ء سے ایک ان کے خرچ پر اس سے رکھی گئی ہے کہ سنہ ۱۸۵۲ء کے معاہدہ کی بارہویں دفعہ کی رو سے وہ اس کے رکھنے کے پابند ہیں۔“

۱۴ ستمبر ۱۸۵۲ء کو لارڈ ولیمز نے اپنے ایک پراسٹیوٹ خط میں جنرل فریزر کو لکھا تھا کہ:-

”گو فرسٹ آف انڈیا بار بار از روئے معاہدہ کنٹینٹ رکھنے کی ذمہ داری کا ذکر کرتی ہے کیونکہ چالیس سال سے نظام نے معاہدہ سنہ ۱۸۵۲ء کی بارہویں دفعہ کی اس تعبیر کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن اگر نظام اس سے کرجائیں اور از روئے معاہدہ کسی پابندی کے وجود سے انکار کر دیں تو میں ایک پبلک مین کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں ایسا مندری کے ساتھ یہ لال نہیں کر سکوں گا کہ کنٹینٹ کو برقرار رکھنے کے لئے سابقہ عمل کے سوا کوئی اور بھی محبت موجود ہے میں یہ استدلال کر سکتا ہوں اور یہی میں نے کیا۔“

میمو آئرز صفحہ ۳۶۰ لہ

۱۸۵۲ء میں بھی غلط ہے کہ نظام نے اس تعبیر کو قبول کر لیا۔ خود جنرل فریزر (رزیدنٹ) نے اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک مجھے یاد ہے اکتوبر ۱۸۵۲ء سے پہلے نظام نے کبھی صریح الفاظ میں اس جواب کو قبول نہیں کیا (دیکھو میمو آئرز صفحہ ۳۸۱)

کہ ہزار سوس کے طرز عمل (۹ یعنی خاموشی) نے معاہدہ کو یہ صورت دیدی ہے
 اور جب تک اسے نامعلوم نہ کر دیا جائے ان پر یہ واجب ہے کہ سیدھی
 طرح اس فوج کا خراج برداشت کریں جس کو اسی تعبیر کے مطابق انہوں نے
 ہمیں مرتب کرنے دیا ہے لیکن اگر وہ نفس معاہدہ پر قائم ہو جائیں تو میں یہ
 استدلال نہیں کر سکتا کہ معاہدہ کی اسپرٹ یا الفاظ کی رو سے وہ اس
 بناء پر حالت میں ہیں ۹ ہزار کی ایک گراں خراج رکھنے پر مجبور ہیں
 حالت جنگ میں انہوں نے ۱۵ ہزار فوج دینے کی ذمہ داری لی ہے
 اپنی ایک اور خفیہ تحریر میں لارڈ ڈلہوزی لکھتا ہے۔

”عہد نامہ کے تصور میں بھی یہ نہ تھا کہ نظام کو اپنی فوج سے الگ ایک
 فوج بھرتی کرنے اور اس کا خراج دینے پر مجبور کیا جائے تاکہ وہ ہر وقت
 زمانہ امن اور زمانہ جنگ میں یکساں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے تہمتا لٹ
 میں دیدی جائے۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ میں نے کہتے سنا ہے کہ ہزار سوس
 کی اپنی فوج محض ایک ”انہو“ ہے۔ اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں اچھی

۱۵۔ عجیب لطف یہ ہے کہ انہی لارڈ ڈلہوزی صاحب نے ۱۸۴۸ء کو اپنے
 ایک سرکاری مراسلہ میں لکھا تھا کہ :-

”سن ۱۸۴۸ء کے عہد نامہ نے ہر وقت نظام سے ۱۵ ہزار فوج طلب کرنے کا حق دیا تھا۔
 تجربہ نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ جب سمجھی یہ طلب کیا گیا ہم کو ۱۵ ہزار فوج تو نہ ملی البتہ بہت سا
 بیکار اور بے ضابطہ ”انہو“ مل گیا۔ پس ہم نے بالکل صحیح اور جائز طور پر عہد نامہ کو یہ متنبہ کر دیا
 کہ ہم کو کارآمد یا ہونے والی مقررہ تعداد ہماری جانی چاہئے اس لئے ہم غیر مشکوک انصاف

۵۵
 فوج ملنے کا اطمینان کرنے کے لئے ہم یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ
 ایک کثیر تعداد کی فوج حالت امن میں ہمارے زیر نگرانی و زیر ترتیب ہے
 تو اس جوابوں کا کہ معاہدہ کی دفعہ ہم کو یہ معنی پہنچانے کا کوئی حق نہیں
 دیتی (میمو آؤرز صفحہ ۴۲۶)

ان سرکاری اور نیم سرکاری تحریروں کے کنڈیٹسٹ کی صلیت کے متعلق
 ایک حرف بھی زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار
 ارکان تسلیم کرتے ہیں کہ کنڈیٹسٹ خلاف معاہدہ قائم کی گئی۔ نظام کی اجازت
 کے بغیر قائم کی گئی اور اپنی اغراض کے لئے قائم کی گئی جن کے لئے اس سے
 پہلے ۶۳ لاکھ کا ملک نظام سے لیکر سب سیدیری فورس قائم کی گئی تھی۔

کنڈیٹسٹ کے مصارف

آگے چلکر اس کنڈیٹسٹ کے مصارف کی خاطر نظام پر چوبیس تین سال
 کی گئیں۔ ان کو بیان کرنے سے پہلے یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ انگریزی
 حکومت ۱۹ سال تک اپنے وفادار دوست کے خزانہ سے روپیہ لیکر اس فوج
 پر کس بے دردی کے ساتھ خرچ کرتی رہی اس کے لئے بھی اس اپنی طرف سے

(بقیہ حاشیہ ۶۲) کے ساتھ نہ لانی پس سے یہ مطالبہ کر سکتے اور کرتے ہیں کہ دولت ضرورت سے پہلے ہی
 اسی تدبیر اختیار کر کے ایک ضابطہ فوج فراہم کر لیں جس کا خرچ وہ دین اور افسر ہمارے ہوں اور وہ دس کچھ وسطی
 اضلاع میں قائم ہو گا کام کے اس کام کیلئے ہم ۱۵ انہر کے بجائے ۱۵ انہر لائے گئے ہیں۔ (میمو آؤرز صفحہ ۳۵۲)
 اس سلسلے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاڈلہنوی کی سیاست کے خلیہ و علانیہ پہلوؤں میں کس قدر فرق تھا۔

۵۶
ایک لفظ کہنے کی بجائے خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان کے اعتراضات کو نقل کروں گا۔

۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو کرنل لو (منصوب ریڈینٹ) نے حکومت نظام کی مالی مشکلات کے متعلق ایک طویل مراسلہ گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا تھا جس میں اس نے کنٹیننٹ کے بھاری اخراجات کے متعلق حسبِ خیالات کا اظہار کیا تھا۔
”یہ خیال کر کے اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ حکومت نظام کی ان شدید مالی مشکلات کا ایک متحدہ جھبہ بالواسطہ خود ہمارے اس چالیس لاکھ روپیہ سالانہ کے مطالبہ کی بدولت اس پر نازل ہوا ہے جو ہم کنٹیننٹ فورس کے مصارف کے لئے کرتے ہیں۔“

نظام کی کنٹیننٹ کے متعلق ان تمام واقعات اور حالات کو بیان کرنا درحقیقت میرے لئے بہت تکلف دہ ہے مگر میں جب سے یہاں آیا ہوں، میں نے اس حکومت کی مالی پریشانیوں کو اس قدر وسیع اور ہمہ گیر دیکھا ہے کہ میں گورنر جنرل باجلاس کونسل کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی رائے صاف صاف ظاہر کر دینا ضروری فرض سمجھتا ہوں اور اسی اصول پر میں اس ظہار کے ساتھ اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں کہ کنٹیننٹ کے اخراجات کو ایسی ایک رقم تک کم دینے کے لئے جو حد سے حد ۲۰ لاکھ روپیہ (حالی) سالانہ سے زیادہ نہ ہو، ضروری کارروائی بعجلت ہونی چاہئے کیونکہ پہلے خواہ کچھ صورت نہ رہی ہو مگر اب مجھے بالکل ظاہر نظر آ رہا ہے کہ حیدرآباد کی حکومت وہ بھاری رقم نقد روپیے کی صورت میں کسی طرح دینے کے قابل نہیں ہے جو اس فوج کو رکھنے

۵۷
کے لئے مطلوب ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس پیہم زراپشی کا سلسلہ
مزید تین سال تک بھی جاری رہا تو وہ اس دار السلطنت کی مصیبت اور
انتہا میں بہت شدید اضافہ کا باعث ہوگا اور غالباً تمام نظم و نسق کے
کارخانہ کو معطل کر دے گا۔ ۵۸

اس کے جواب میں ۳۰ مارچ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ڈولہوری کی حکومت نے کرنل کو کو لکھا کہ
”ہزار ڈشٹ باجلاس کو نسل کرنل سے اس بات پر متفق ہیں کہ ہم نے
کنینٹھٹ کو نظام کے مالیات پر اتنا بھاری بوجھ بنا دیا ہے جتنا اسکو نہ ہونا
چاہئے گو رنجرل باجلاس کو نسل کی رائے میں اسٹا بلا فائدہ رائد ہے اور جو
بیتے اور مختلف قسم کے مصارف اس سے بدرجہا زائد ہیں جتنے ہونے چاہئیں۔ ۵۹
۳۰ مارچ ۱۹۲۵ء کی یادداشت میں لارڈ ڈولہوری نے دوبارہ اس قصور خراجی کا
ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

”میں اس اعتراض کے حق بجانب ہونے کو سختی کے ساتھ محسوس کرتا ہوں جو
اس فوج کے بھاری خرچ پر کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ فوج کم نہ زیادہ
اکٹھ ۵ بریگیڈ رکھتی ہے جن کے ساتھ اسی نسبت سے بریگیڈریں بھی لائے
گو ایلائٹینٹ جو ہوائی نس (نظام) سے ایکڑ ایکڑ آدمیوں پر مشتمل ہے۔ صرف
ایک بریگیڈ رکھتی ہے اور باقی عہدہ بھی اسی تناسب سے بہت کم ہے۔“ ۶۰

میمو آنرز صفحہ ۲۵۵ ۵۱

۳۵۳ ” ” ” ” ۵۲

۵۳۔ منے کی بات یہ ہے کہ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ڈیڈنگ نے عدالت میں عثمان علیجاں بہادر کے
(باقی صفحہ ۵۵)

۵۸
اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کنرل لوکے سپریم اصرار پر لارڈ ڈلہوزی نے اس خرچ میں
لکھی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ تھے۔

”مزید برآں گورنر جنرل باجلاس کونسل اس بات کے لئے بالکل تیار ہیں کہ
فوج کے اٹاف میں بہت سی گراں خرچ اسامیوں کو تخفیف کر دیں اس
طرح کہ جب کوئی جگہ خالی ہو یا موقع پیش آئے تو اسکو موقوف کر دیں گورنر جنرل
باجلاس کونسل نہیں سمجھتے کہ فی الحال اس سے زیادہ کچھ کیا جاسکتا ہے“
اس کے بعد ۱۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کورٹ آف ڈائریکٹرز کی طرف سے حکومت ہند کو
یہ ہدایت کی گئی کہ۔

اہلیت
”اگر کینٹنمنٹ نظام کے مالیات پر اس سے زیادہ بار ڈالتی ہے جتنا اس کی
کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے تو نظام کو ایسے غیر ضروری بار سے فوراً
نجات دینی چاہئے۔“

۳۱ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کورٹ آف ڈائریکٹرز نے پھر لکھا کہ
”کینٹنمنٹ کی حیثیت تحریمی اور اس کے مصارف کی عام نظر ثانی کر کے کور
آف انڈیا کو نظام کے سامنے تخفیف مصارف کی ایک مثال پیش کرنی چاہئے
• جو ان کے مالیات کے لئے اس وقت سخت ضروری ہے۔“ ۱۹۵۰ء

۳۵۶ میمو آفیز صفحہ ۵
(بقیہ جانشینہ ۵) جواب میں خط لکھا تھا اس میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر فوج کو نوخرچ کر لیا جائے تو
اسکی ذمہ داری تنہا برٹش گورنمنٹ پر نہیں ڈالی جاسکتی جس فوج کا سالانہ نظام برٹش گورنمنٹ کے ہاتھ میں تھا
اسکی بدانتظامی کی ذمہ داری سے برٹش گورنمنٹ کو سبکدوش قرار دینا صرف مصلحت برطانیہ کے لارڈ چیف
جسٹس ہی کا کام ہو سکتا ہے کسی اور کو یہ سعادت حاصل ہونی مشکل ہے۔

لیکن ان سہم ہدایات اور خود لارڈ لہوزی کے اپنے وعدے کے باوجود
۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۳ء تک کنٹینٹ کے خرچ میں جس قدر کمی کی گئی اس کی
کیفیت ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۳ء میں کنٹینٹ
کی قوت حسب ذیل تھی۔

سال	یو پیس	نان کنٹینٹ انٹر	سور	پیدل	توپیں	شکاریہ	تینج کلارڈ
۱۸۴۹ء	۷۹	۹۰	۲۹۱۰	۶۷۳۱	۳۷	۸۸۱	۱۸۵۰ء
۱۸۵۳ء	۷۹	۸۲	۲۹۱۰	۶۷۳۱	۳۷	۸۸۱	۱۸۵۳ء

اسی کے متعلق سر نہری ولاک نے ۱۸۵۹ء میں ایک سخت اختلافی نوٹ
لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ

”مذکورہ بالا ہدایات جاری ہونے کے بعد سے نظام کی پریشانیاں بڑھ گئیں
اندرونی اضطرابات سے ان کے ملک میں انتشار پھیل گیا۔ کنٹینٹ کی خدمت
ان کو پیش کرنے سے انکار کیا گیا حالانکہ وہ جائز طور پر انکو دیا جاسکتی تھیں۔
آمدنی میں مزید کمی ہو گئی۔ کنٹینٹ کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا۔ گروٹ کی
ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کنٹینٹ کے اسٹاف میں
اسامیاں خالی ہوئیں اور گورنر جنرل نے ان کو پھر بھردیا۔ حیدر آباد کے
زرڈینٹ بڑے بڑے عالی پایہ افسر سر جارجس مسٹاف کرنل اسٹیوارٹ، جنرل فریزر
اور کرنل اوکیے بعد دیگرے باوقات مختلفہ اظہار کرتے رہے کہ ہم انکو معاہدہ

نظام کے خزانے پر اتنے بڑے بڑے مطالبات کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں اور یہ کہ کنٹریجٹ کے بارے بڑی حد تک اس ٹالی پریشانی کو پیدا کیا ہے جو اس وقت ریاست کی طاقت کو خطرہ میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

لیکن عجیب لطف ہے کہ جو تخفیف ۱۸۵۷ء سے بلکہ صحیح یوں کہ ۱۸۱۹ء سے ۱۸۵۳ء تک نہ ہو سکتی تھی۔ وہی تخفیف ہر لینے کے بعد پہلے ہی سال ممکن ہو گئی اور ممکن بھی اس حد تک کہ جس فوج پر ۳ لاکھ روپے کھلا صرف ہوتے تھے اسی پر ۱ لاکھ اور حد سے حد ۲ لاکھ روپے سالانہ خرچ ہونے لگے یکم جنوری ۱۸۵۳ء کو جب حیدر آباد کنٹریجٹ کی تنظیم جدید عمل میں آئی تو اس کا خرچ ۱ لاکھ کھا گیا تھا۔ اور اس کے بعد کے اخراجات کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہو سکتا ہے۔

سال	یورپین فوج	کمانڈنٹ انفر	سوار	پیادہ	توپیں	شاگرد پیشہ	خرچ سالانہ
۱۸۵۵ء	۵۰	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۴	۶۴۴	۲۳۶۵۳۱/۸
۱۸۵۶ء	۴۹	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۴	۶۴۴	۲۳۶۱۰۳۳
۱۸۵۷ء	۵۰	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۴	۶۴۴	۲۳۶۲۲۳۳

اب یہ بالکل ظاہر ہے کہ جتنی تخفیف معاہدہ ہر سال میں کی گئی اگر اتنی ہی تخفیف معاہدہ سے پہلے چار سال میں کیجاتی تو کنٹریجٹ کے خرچ میں ۶۰ لاکھ کی کمی ہو جاتی اور بجائے اس کے کہ ۱۸۵۳ء میں حضور نظام کی کمپنی کا ۵۰ لاکھ پر قرض ہوتا۔ خود نظام کے خزانہ میں ۱۰ لاکھ روپیہ الٹا خرچ رہتا۔

ملک ہضم کرنے کی تدبیریں

اوپر کے بیانات سے یہ معلوم ہو چکا کہ اس کنٹینٹ کی ولادت ناجائز طور پر ہوئی تھی۔ اور اسکی پرورش بھی انتہا درجہ کی فضول خرچی کے ساتھ کی جا رہی تھی جس کا خود انگریزی حکومت کے ارکان کو اعتراف تھا۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ انگریزی ڈپلومیسی کے اس ناجائز بچہ کو کس طرح ”یار و فادار“ کا ملک عصب کرنے کا ذریعہ بنایا گیا۔

مسلل تین بیس سال کی بد نظمی اور روز افزوں اسخطاط کو دیکھ کر برطانوی مدیرین کا دل اس ریاست کو یا کم از کم اس کے زرخیز حصوں کو ہضم کر لینے کیلئے بے اختیار ہو رہا تھا۔ ۱۸۳۷ء میں لارڈ آکلینڈ نے حیدر آباد کے ریڈینٹ کرنل اسٹوارٹ کو جو ہدایات بھی تحقیرانہ تھیں ان میں لکھا تھا کہ کنٹینٹ کے قیام و بقا کو سب سے زیادہ اہمیت دو اور ان فوجوں کے مصارف کے لئے چند مخصوص اضلاع کا قبضہ حاصل کرنے کے مناسب مواقع تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔

۱۸۳۸ء میں جنرل فریزر کو جو ایک گرگ باراں دیدہ تھا۔ ریڈینٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا اور اس نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کر کے یہ رائے قائم کی کہ اب یہ لقمہ تہراتنا نرم ہو چکا ہے کہ اس کو آسانی کے ساتھ نگلا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ۶ اپریل ۱۸۳۹ء کو لارڈ آکلینڈ کے نام ایک طویل خط لکھا جس کے دوران میں وہ لکھتا ہے کہ

”ازالہ مرض کے لئے جزوی تدبیر کرنا میں لاجمل سمجھتا ہوں۔ اس ملک کی حکومت کا عملاً اپنے ہاتھ میں لے لینے سے کم کوئی چیز میری رائے میں ان خرابیوں کا کافی علاج نہ ہوگی جو یہاں پھیلی ہوئی ہیں۔“

فرزیر کا خیال یہ تھا کہ کمپنی حکومت نظام کو ایک کروڑ روپیہ قرض دے اور اس کے عوض نہ صرف تمام ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے بلکہ عربوں، روسیوں اور دوسری فوجوں کو بھی منتشر کر دے۔ لیکن اس وقت ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

اس کے بعد فروری ۱۸۴۳ء میں اسٹنٹ رزٹرنٹ کمپنٹ میکمل اور جہارا چند ولال کے درمیان گینت و شنید ہوئی کہ کمپنی سرکار نظام کو ۵۷ لاکھ روپیہ قرض دے اور رائچور، بیڑا، بار کے علاقوں میں سے کوئی حصہ لے لے۔ لیکن رزٹرنٹ اور جہارا جہ میں ناچاتی تھی اس لئے یہ معاملہ طے نہ ہو سکا۔ تاہم کمپنی کے ارباب حل و عقد کو اس تجویز سے حالات کا رخ معلوم ہو چکا تھا اسلئے اسی وقت سے آپس میں کھڑی کمپنی شروع ہو گئی کہ دکن کے زرخیز ملک پر سیطاح تصرف حاصل کیا جائے۔ ۳۳ مئی ۱۸۴۳ء کو کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے گورنر جنرل کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ

”اگر اب کوئی مالی مصیبت نظام یا ان کے وزیر کو ہم سے مدد کرنے کی درخواست کرنے پر مجبور کرے تو برٹش گورنمنٹ کی خدمات اس واضح شرط کے ساتھ پیش کریں

جائیں کہ وہ (یعنی برٹش گورنمنٹ) نظام کی جانب سے ان کے فائدے کی خاطر ملک کا نظم و نسق پورا کا پورا اپنے ہاتھ میں لے لیگی اور اگر اسی صورت میں ہم نے انکی مملکت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تو نہ رائی بس کو صاف طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس وقت واپس نہ کیا جائے گا جب تک ہماری حکومت اس امر کا اطمینان نہ کرے گی کہ نظام یا ان کے جانشین ملک کا عمدہ انتظام کرنے کے لئے مناسب بندوبست کرنے کے قابل پائے جائیں گے۔

دوسری طرف لارڈ الن بروکلکٹہ میں انہی امور پر غور کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نواب خود اپنے صرف خاص کے خزانہ سے روپیہ دینے پر رضی نہ ہوں گے اور برٹش گورنمنٹ ہی سے مدد طلب کرنا ضروری سمجھیں گے۔ ایسی صورت میں وہ انکی درخواست کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ قرض کی ادائیگی کا پورا اطمینان ہو جائے اور اس اطمینان کی وجہ صورت اس کے نزدیک یہ تھی کہ نظام کے تمام مالک محروسہ کو برطانی انتظام میں لے لیا جائے اس غرض کے لئے مملکت میں ایک معاہدہ کا مسودہ بھی تیار کر لیا گیا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ کمپنی نظام کو ایک نہر روپیہ قرض دے گی اور اس کے عوض نظام اپنے تمام مالک محروسہ کا انتظام برٹش ریڈینٹ یا دوسرے کسی افسر کو جسے برٹش گورنمنٹ منتخب کرے، دیوان کی حیثیت سے سپرد کرویں گے تا آنکہ اصل رقم مع ۵ فیصدی سود برٹش گورنمنٹ کو واپس مل جائے اور برٹش گورنمنٹ کو اس امر کا اطمینان نہ ہو جائے کہ نہ رائی بس اور ان کے جانشین ان مالک

۶۲
 کا انتظام ایسے طریقے سے کر سکیں گے کہ پھر اس قسم کی مالی مشکلات پیش نہ آئیں۔
 اس مجوزہ معاہدہ کی سب سے زیادہ عجیب دفعہ یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ کے
 انتظام سے ریاست کے ایالت میں جو بچت ہوگی اس کو برٹش گورنمنٹ خود اپنے
 تصرف میں لائے گی۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ ریاست پر برٹش
 گورنمنٹ کا دوامی قبضہ رہے گا کیونکہ جب تمام بچت گورنمنٹ لے لیتی تو ایک
 کروڑ کا قرض معہ سود ادا ہونے کی کوئی صورت نہ رہتی، اور جب قرض ادا نہ
 ہوتا تو ریاست کا واکذاشت ہونا معلوم۔

یہ تھا وہ جال جو یار و فادار کو بچانے کے لئے تیار کیا گیا تھا مگر خوش قسمتی
 سے خبرل فریزر اور جہارا جہ چند ولال کے باہمی اختلافات ٹرہ گئے یہاں تک کہ
 ۶ ستمبر ۱۸۶۳ء کو جہارا جہ اپنی خدمت سے علیحدہ ہو گئے اور کمپنی سے قرضہ
 مانگنے کی نوبت نہ آئی۔ اگرچہ جہارا جہ نے سرکار نظام پر مختلف قسم کے جو قرضے
 چھوڑے تھے ان سب کو بھگتانے کے لئے ایک سرسری تخمینہ کے مطابق ۲ کروڑ
 روپیہ درکار تھا۔ لیکن نواب ناصر لدولہ نے اس حوصلہ شکن صورت حال کا
 مروانہ وار مقابلہ کیا اور انگریزوں کی طرف استعانت کا ہاتھ نہ بڑھایا یہی واقعہ
 ہے جس کے متعلق لارڈ الین بروڈرے افسوس کے لہجے میں خبرل فریزر کو
 لکھتا ہے کہ

”میں سوئے افسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ چند ولال قطعی طور پر عہدہ

۶۵
 الگ ہو گئے قبل اُس کے کہ انہی جگہ کسی ایسے آدمی کے تقرر کا انتظام ہو جاتا
 جسے تم پسند کرتے اور ریاست کے زیادہ بھاری قرضوں کی ادائیگی کا انتظام
 ہوتا جن میں فوجوں کی تنخواہوں کے بقایا بھی شامل ہیں۔ چند دلال محض
 تمہاری مرضی سے گئے اور مجھے اندیشہ ہے کہ نظام پر بھاری گرفت کا سب سے
 بڑا ذریعہ بھی گیا۔ اب اس کا بوس سے نجات پا کر نظام ہم کو چٹکیوں میں
 اڑائیں گے۔ ٹال ٹول کرینگے اور اسلحہ کی راہ میں کچھ نہ کریں گے۔“ سلہ

کنیٹھنٹ کا سفر

پہلے بند کی گرفت کھلے ہی ”یار و خاوار“ کے لئے وہ سراوہم چست کر لیا گیا
 جس میں وہ آخر پھنس کر رہا۔ گو سرکار انگریزی کو اپنے دوست کا پورا ملک تو
 ہاتھ نہ آ سکا تاہم یہی کیا کچھ کم ہے کہ اس کا ایک تہائی حصہ اور سب سے زیادہ
 زرخیز حصہ اس کی دوستانہ دوست برد سے نہ بیچ سکا

کنیٹھنٹ کے مصارف کا جو حال تھا وہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ایسے
 مالی انتشار کے زمانہ میں جبکہ ریاست کے مد اٹل و مخارج کا توازن ہی درست نہ تھا
 اس ۴۲ لاکھ سالانہ کے مستقل مطالبہ کو پورا کرتے رہنے پر ریاست کسی طرح
 قادر نہ تھی۔ ہمارا ج چند دلال پہلے ولیم پارکر کی کمپنی سے قرض لیکر اسکو پورا
 کرتے رہے۔ پھر جب پارکر کی کمپنی ٹوٹ گئی تو ملکی سامہو کاروں کا سہارا ڈھونڈ لیا گیا
 آخر جب ریاست کی ساکھ بالکل ہی گٹر گئی تو اس رقم کا ادا کرنا مشکل ہو گیا اور

تنخواہیں بقایا میں رہنے لگیں۔ جولائی ۱۸۴۳ء میں جب ہمارا جہ نے استغفہ دیدیا تو کنٹیننٹ کی ۶ ہینے کی تنخواہ بقایا میں تھی۔ جنرل فرزیر نے رزٹرنسی کے خزانہ سے یہ روپیہ ادا کیا اور مرکزی حکومت کو اس کے متعلق لکھا وہاں سے جواب آیا کہ جتنے روپیہ کی ضرورت ہو اپنے خزانہ سے دیئے جاؤ اور نظام کو جہلت دیتے رہو۔ اس طرح کنٹیننٹ کے حساب میں نظام کے ذمہ جتنی بقایا نکلتی رہی اسے رزٹرنٹ چیکے چیکے اپنے خزانہ سے ادا کرتا رہا یہاں تک ستمبر ۱۸۴۳ء میں یہ نام نہاد قرض ۳۸ لاکھ کی رقم خطیر تک پہنچ گیا۔

ہمارا جہ چند ولال کی علیحدگی کے بعد نواب ناصر الدولہ بہادر نے دیوانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ شعبہ سیاسیات کی نگرانی جبکا صلاحی نام اس وقت وکالت تھا) سراج الملک (ابن نیر الملک) کے سپرد کر دی تھی او ہمارا جہ چند ولال کے بھیجے راجہ رام بخش کو پیشکار مقرر کر دیا تھا۔ اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ ان بھاری قرضوں میں سے جو ہمارا جہ چند ولال چھوڑ گئے تھے، جون ۱۸۴۵ء تک ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ ادا ہو چکا تھا۔ نواب کی خواہش تھی کہ بذات خود امور ریاست کی نگرانی کریں۔ مگر یہی وہ خیر تھی جسکو انگریزی حکومت نہیں چاہتی تھی۔ انگریزوں کی خواہش یہ تھی کہ نواب محل میں مشغول عیش و نشاط رہیں اور حکومت کا سارا کام ایک ایسے دیوان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے جو رزٹرنٹ کے زیر اثر ہو۔ انگریزی رزٹرنٹ جنرل فرزیر نے ہی تحریر کیا

اس خواہش کا صاف صاف اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ۱۸۴۲ء کے خط میں لارڈ الین برو کو لکھتا ہے کہ

”اس ملک کے اختیارات خود ہمارے ہاتھ میں آتے اور اس کا انتظام برطانیہ افسروں کے سپرد کئے جانے سے کم اگر کوئی تدبیر اصلاح میرے خیال میں آتی ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک ایسا وزیر مقرر کیا جائے جو برٹش گورنمنٹ کی رائے کے ساتھ (جس کا اظہار یہاں کے ریڈیٹ کے ذریعہ ہو) حقیقی نہ کہ بناوٹی اشتراک عمل کرے۔“

ان ہی خیالات کی بناء پر برٹش گورنمنٹ کی طرف سے بار بار زور ڈالا جاتا تھا کہ ایک ”لائق“ دیوان جلد سے جلد مقرر کیا جائے۔ جب ان بہیم تقاضوں کا کوئی اثر نہ ہوا تو اپریل ۱۸۴۵ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل نے نظام کو ایک خط لکھا جس میں ریاست کی بد انتظامی پر سخت تلک تہ چینی کی گئی تھی اور ڈھٹکے چھپے الفاظ میں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر ہمارے ”دوستانہ نصائح“ پر توجہ نہ کی گئی تو نتائج خطرناک ہوں گے۔ جون ۱۸۴۵ء میں جب ۵ سرکش زمینداروں نے غدار پر پا کیا تو حکومت نظام کو کنٹینٹ کی خدمات دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اور ریڈیٹ نے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرنی شروع کیں۔ اس نے گورنمنٹ آف انڈیا کو سمجھا کہ وہ دیوان کے تقرر کے لئے نظام پر سختی کے ساتھ زور ڈالے اور اس کے ساتھ ہی اس قرض کا بھی تقاضا کرے جو کنٹینٹ کے سلسلہ میں ۲۸ لاکھ کی رقم باقی رہ چکا تھا۔

اس تجویز کے مطابق ۲۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو لارڈ دارڈنگ نے نواب ناصر الدولہ بہادر کے نام ایک خط لکھا جس میں دیوان کے تقرر اور قرض کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا تھا اس کے ساتھ ہی رزیڈنٹ کو لکھا گیا کہ نظام پر دباؤ ڈالنے کے لئے جس فوجی مظاہرہ کی ضرورت ہے وہ فی الحال ممکن نہیں ہے کیونکہ بدراس کی فوج ساگر و نربا میں مشغول ہے۔ بسپئی کی فوج سندھ میں ہے اور بنگال کی فوج لاہور میں رکھی ہوئی ہے۔

انگریزی حکومت کے زور دینے پر نظام ایک ایسا دارالمہام کے تقرر پر راضی ہو گئے اور انہوں نے نواب شمس الامراء و امیر کبیر کو اس منصب کیلئے منتخب کرنا چاہا۔ لیکن رزیڈنٹ سراج الملک سے سخت و پز کر چکا تھا اس نے انہی کے تقرر پر زور دیا اور اعلیٰ حضرت کی ناراضی کے باوجود یہاں تک وردیا کہ وہ ان ہی کو مقرر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ سراج الملک سے اعلیٰ حضرت کی ناراضی کسی ذہنی کاوش کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو رزیڈنٹ کہے جانے کو دیا تھا۔ ۲ نومبر ۱۸۵۷ء کو (عین اس دن جبکہ سراج الملک دارالمہام بہائے گئے) اعلیٰ حضرت نے خود سراج الملک کی موجودگی میں جو گفتگو کی تھی اس کا مفہوم رزیڈنٹ کے الفاظ میں یہ ہے کہ

”برائے صلاح کاروں نے سراج الملک کی طرف سے ہر آئی نس کے ذہن کو مسکوم کر دیا ہے اور انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ میرا مقصد سراج الملک کے

تقرر کی تجویز کرنے سے دراصل ان کو یہ موقع دینا ہے کہ آخر کار ملک کو برٹش گورنمنٹ کے سپرد کر دیں۔

سراج الملک کے مدارالمہام ہوتے ہی مطالبہ قرض کے تمام تقاضے بند ہو گئے اور ریڈینٹ کے مشورے سے کاروبار سلطنت انجام پانے لگے۔ فوجی معاملات کے سلسلہ میں انگریزی مفاد کی سب سے بڑی خدمت جو سراج الملک نے کی وہ یہ تھی کہ ان ویسی فوجوں کو جو کہ ایک بڑا حصہ ہوں اور بیٹھانوں میں مشتمل تھا جو کلیہ نظام کے زیر اختیار مقبیل و جرنل پر کسی خطرے کے وقت نظام اپنی حفاظت کیلئے بھروسہ کر سکتے تھے موقوف کرنا شروع کر دیا۔ ریویو کی جمعیت کے منتشر ہونے کے بعد یہی ایسی فوج رہ گئی تھی جس کا نظام ساری جنگی طاقت کا انحصار تھا اور اسی فوج کا وجود انگریزی حکومت کو کھٹک رہا تھا۔ نواب ناصر الدہلوی جو کم کے زمانہ میں اس فوج کی کل تعداد ۳۵ ہزار کے قریب تھی جن میں دس ہزار سپاہی خاص اور سلطنت میں موجود رہتے تھے۔ انگریزی حکومت چاہتی تھی کہ انہیں موقوف کیا جائے یا کم از کم ان کی تعداد نصف سے زیادہ گھٹا کر جائے حکومت نظام جب کبھی کنٹیننٹ کے کثیر اخراجات کیلئے روپیہ بہم پہنچانے سے اپنی معذوری ظاہر کرتی تو جواب میں بھی تجویز پیش کر دی جاتی تھی کہ اس کا بیکار انہوہ پر جو ۳ لاکھ روپیہ سالانہ رقم خرچ کرتے ہو اسے بند کر دو اور کنٹیننٹ کیلئے روپیہ دو سراج الملک نے انگریزی حکومت کی اسی خواہش کو اپنے غور و زات میں پورا کرنے کی کوشش کی اور ۱۸۴۳ء میں تقریباً ۱۸ ہزار کو برطرف کر دیا خود اور سلطنت کی فوج میں سے ۶ ہزار فوج کو انگریزی رسالوں کی مدد سے زبردستی منتشر کر لیا

اور اس طرح مرکز حکومت میں خود اپنی فوج صرف ۴ ہزار رہ گئی حالانکہ سکندر اپنا
سے اہوال تک جو انگریزی فوج پڑی ہوئی تھی اسکی تعداد پانچ چھ ہزار سے
کسی طرح کم نہ تھی۔

سراج الملک کی اسی انگریز پرستانہ پالیسی کو دیکھ کر نواب ناصر الدولہ بہادر کی
ناراضی یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور نے انکی باریابی تک بند کر دی اور عیدین پر بندنا
تک پیش کرنے کیلئے ان کو حاضری کا موقع نہ دیا۔ ستمبر ۱۸۴۶ء میں اعلیٰ حضرت نے رزلٹ
کو بلا کر اپنی اس خواہش کا صاف اظہار کر دیا کہ وہ سراج الملک کو بدلہ لے گا جسکی الگ کر دینا
چاہتے ہیں۔ انگریزی حکومت سراج الملک کی حمایت کا عہد کر چکی تھی اور کرنل لونے اپنی
آنکھوں سے کوٹ آف ڈاکٹر گنز کا وہ منظر دیکھا تھا جس کو ٹرنٹ آف انڈیا کو یہ ہدایت
کی گئی تھی کہ سراج الملک کی قطعی تائید کی جائے۔ لیکن اس کے باوجود نواب ناصر الدولہ علیہ
فرمان روا کے سامنے کھلم کھلا دیوان کی حمایت نہیں کیا سکتی تھی اس لئے لارڈ ولہووی نے
اکتوبر ۱۸۴۶ء میں رزلٹ نہ دئے کو لکھا کہ نہ رہائی انس خود مختار ہیں جس کو چاہیں زیر
مقرر کریں لیکن انہیں صاف طور پر متنبہ کر دو کہ اس کا انجام بہت برا ہوگا لارڈ ولہووی
کے الفاظ یہ تھے۔

”گو رنر جنرل نہ رہائی انس کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اسی روش پر چلتے رہے تو
ان کا ملک خوش حال اور امن نہ رہے گا اور اسی صورت میں برٹش گورنمنٹ خود
اپنے مقبوضات کے سکون اور اپنی رعیت کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے

۷۶ — ۳۷ — رشید الدین خانی صفحہ ۳۷ — ۷۶

۷۶ مہمو آئیر صفحہ ۳۷۶ — ۷۶

ایک ہمسایہ ریاست میں شورش اور اضطراب کے وجود کو گوارہ نہ کر سکے گی
 خصوصاً جبکہ وہ خود اس کے اپنے مفاد اور سلامتی و اطمینان کے لئے
 مضرت رساں ہو۔ ایسے حالات میں برٹش گورنمنٹ غالباً اپنے آپ کو
 مجبور پائے گی کہ ہیرائی بس کی مملکت کے اندرونی انتظام میں قطعی مداخلت
 کرے تاکہ اپنی رعیت تک اس مضرت اور تکلیف کو پہنچنے سے روک دے
 جو ایک ہمسایہ ریاست کی پراگندہ حالت سے ان پر نازل ہوئی
 ضروری ہے ۱۱

یہ نتیجہ نامہ نظام تک پہنچایا گیا مگر انہوں نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ جنرل
 فریزر نے کہا کہ ایسی حالت میں سراج الملک کی علیحدگی گورنر جنرل کی مارضیٰ کا
 باعث ہوگی۔ نواب نے جواب دیا کہ اگر گورنر جنرل ناخوش ہونگے تو بہتر ہے کہ
 غفر آں آپ اور مخفرت آپ کی جگہ پر بھی سراج الملک ہی بٹھائے جائیں آخر
 کار سراج الملک نومبر ۱۸۵۷ء میں لگ سکے گئے اور انکی جگہ عارضی طور پر امجد الملک
 مدارالہمام بنائے گئے۔

ادھر سراج الملک بنائے گئے اور ادھر قرض کا تقاضہ شروع ہو گیا، دسمبر ۱۸۵۷ء
 میں ریڈنٹ کے نام حکم آیا کہ کنٹینٹ کے حساب میں نظام کے ذمہ جو قرض ہے اسکی
 مقدار اب بہت ہو گئی ہے نظام سے کہو کہ سو دہرا براد کرتے رہیں اور اصل رستم کی
 ادائیگی کا جلد انتظام کریں۔ نیز کنٹینٹ کی تنخواہوں کے ادا کرنے میں

میسو آئیر صفحہ ۲۶۶ ۱۲

۱۲ رشید الدین خانی صفحہ ۳۸۱
 ۱۲ فیصدی کی شرح لکھی گئی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں اس سے گھٹا کر ۶ فیصدی کر دیا گیا

اب زیادہ تساہل کو گوارا نہیں کیا جائے گا۔ آخر میں لکھا تھا کہ:۔
 نہرائی ٹرس صاف طور پر سمجھ لیں کہ اگر ان مطالبات کو قاعدگی کے ساتھ
 پورا نہ کیا گیا تو گورنر جنرل اسی تدبیر اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرنے پر
 مجبور ہونگے جو ان مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی موثر ہوں جن کا اس گورنمنٹ نے
 ایمانداری کے ساتھ عہد کیا ہے اور خود اس کے اپنے مفاد کے تحفظ کیلئے بھی۔^{۱۵}

اس دھچکی کا اثر یہ ہوا کہ نواب ناصر الدولہ نے امجد الملک کی جگہ نواب شمس الامراء
 امیر کوہدار الملہام مقرر کیا۔ اور شمس الامراء نے کنٹینٹ کی تین سو اہ ماہ بہ ماہ ادا کرنے کا
 انتظام کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے رزٹرنٹ کو یقین دلایا کہ وہ قرض کا سود
 برابر دیتے رہیں گے اور اصل پیس سے ۵ لاکھ سالانہ ادا کریں گے جس سے ۱۲ سال کا
 کل قرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن رزٹرنٹ نے اتنی اہلت دینے سے انکار کر دیا۔

شمس الامراء نے جس طریقے سے ملک کا انتظام شروع کیا تھا اس سے امید
 ہوتی تھی کہ وہ اس عظیم الشان خطرے سے اسکو بچا لیں گے جو قصائے مجرم طبع
 اس کے سر پر منڈلا رہا تھا لیکن افسوس کہ دربار کی سازشوں نے اس وفادار خادم
 دولت کو ۵ جینے بھی چین سے نہ ٹکنے دیا اور آخر کار مئی ۱۸۶۹ء میں اسے
 استعفیٰ دینا پڑا۔

جون ۱۸۶۹ء میں ڈھوڑی نے رزٹرنٹ کو لکھا کہ ایک خوشگوار صبح کو نظام
 اپنے نتائج اعمال کے ہاتھوں جھنجھوڑ کر رکھائے جائینگے۔ ایک ورخط میں اس نے لکھا کہ
 مجھے بڑا افسوس ہے کہ نظام خود اپنے ہاتھوں اپنا سر بھوڑنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن اگر

۷۳
 انہوں نے ایسا کرنے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو میں اس کا انتظام کر لوں گا کہ اس
 گورنمنٹ کے مفاد کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔ اودھ میں انکی شاہی بڑی
 کا ایک دوسرا بھائی اسی ارش پر چل رہا ہے جو یہی کہ لارڈ ہارڈنگسٹ کی
 دی ہوئی دو سالہ جہالت ختم ہوگی میں کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گا۔ مختصر یہ
 ہے کہ میرے ہاتھ کچھ عرصہ کے لئے ان امور رکھ رہیوں سے بھرے رہتے
 نظر آ رہے ہیں۔^{۱۵}

ان دھکیوں میں جو بننے پونیدہ تھے وہ کچھ زیادہ عرصہ تک چھپے نہ رہے
 شمس الامراء کی علیحدگی کے بعد کیٹینٹ کی تختواہیں پھر بقایا میں بننے لگیں علالت
 نے راجہ رام بخش کو دوبارہ پیش کار مقرر کیا مگر انتظام کے لئے ان سے زیادہ
 قابل آدمی کی ضرورت تھی۔ آخر ستمبر ۱۸۶۹ء میں نظام کو نوٹس دیدیا گیا کہ
 ۱۴ دسمبر ۱۸۶۹ء تک تمام قرض ادا کر دیا جائے ورنہ برٹش گورنمنٹ جو مناسب
 سمجھے گی کرے گی۔ لارڈ ڈلہوزی نے صاف کہہ دیا کہ بحیثیت قرض خواہ اس
 گورنمنٹ کو نظام پر رحم کھانے کی وجہ نہیں ہے اب وہ انکو ڈھیل نہیں دیگی۔^{۱۶}

قرض کے بدلے ملک کا مطالبہ

ڈلہوزی خود جانتا تھا کہ ۱۵ مہینہ کی مدت میں نظام کے لئے ۶۰ لاکھ
 روپیہ کی رقم سوداوار کرنا مشکل ہے خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ ہی کیٹینٹ کے مسئلہ

۱۵ میموآئیرز صفحہ ۲۹۱ و ۲۹۲

۱۶ میموآئیرز صفحہ ۲۹۹

۳۵ لاکھ ۳۵ ہزار روپیہ مہینہ کا مستقل خرچ بھی ان کے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے اس نے نوٹس دینے کے بعد ہی نومبر ۱۸۴۹ء میں رزٹرنٹ کو لکھا کہ اب میں نے ایک آخری کارروائی کرنے کا غم کر لیا ہے لہذا تخفیف طور سے اپنی رائے بتاؤ کہ قرض کے عوض کفالت میں نظام کے ملک کا کونسا حصہ مانگنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کے جواب میں جنرل فریزر نے ۱۹ دسمبر ۱۸۴۹ء کو ڈیوڑی کے نام ایک طویل خط لکھا جس کے بعض حصے قابل مطالعہ ہیں۔

”برائیاں گھاٹ تجارتی اور زرعی دونوں حیثیات سے نظام کی مملکت کا سب سے زیادہ زرخیز اور نفع بخش حصہ ہے اور میں نے کبھی نہیں سنا کہ اس کی مالگزاری کے وصول کرنے میں کوئی وقت پیش آئی ہو میں یقین رکھتا ہوں کہ روٹی کی پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی خطہ اس پر فخر نہیں رکھتا اور اس چیز کی پیداوار اور برآمد ہمارے انتظام میں اس سے بدتر جہاز زیادہ ہو جائے گی جتنی اب تک رہی ہے۔

آگے چل کر فریزر کہتا ہے کہ اس علاقہ کی آمدنی کے متعلق زیادہ تحقیق کرنا مشکل ہے کیونکہ کھوکھو کو روچھنے سے شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے پھر لکھتا ہے ”اگر کل آمدنی صرف ۳۵ لاکھ ہوئی جیسا کہ یہاں فرض کیا جا رہا ہے تو اس کمی کو قریب کا فرید علاقہ لیکر پورا کیا جاسکتا ہے اور ایسا کرنا ضروری ہی ہوگا جبکہ کم ٹیکسٹ کے مصارف کے ساتھ آپا دیسیائی کی چوتھ اور چھٹی رام کے خاندان کے سالیانہ کو بھی شامل کر لیں جسکی مجموعی مقدار ۱۲۶۰۰۰

۷۵
 تک پہنچتی ہے۔ نیز ۳۲۰۰ سالانہ کے سود کو بھی شامل کر لیں جو نظام
 کے قرض پر عائد ہوگا۔ اس طرح کلٹیجٹ کا خسارہ اور یہ رقمیں ملکر تقریباً
 سات آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ہو جائیں گی اور اس کے لئے مناسب ہوگا کہ
 ضلع دولت آباد کا ایک حصہ بھی لے لیا جائے۔ اگر نظام اس پر اعتراض
 کریں کیونکہ غالباً وہ اپنی مملکت کے اس حصہ کو ہمارے انتظام میں دینا
 پسند نہ کریں گے جس میں اورنگ آباد اور دولت آباد واقع ہیں تو ہم مانڈیٹر
 اور کلم کے ضلع کا بالائی حصہ طلب کر سکتے ہیں کہ وہ بھی کئی کوپو را
 کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

۷۵
 عہدہ کا ابتدائی زمانہ خاموشی کے ساتھ گذرا کیونکہ سال کے آخر تک کی
 مہلت دی جا چکی تھی۔ نظام ادائے قرض کے انتظام کے لئے برابر جدوجہد میں مشغول
 تھے لیکن جب سال ختم ہونے کے قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ مدت مقررہ کے اندر
 قرض ادا نہ کر سکیں گے۔ راجہ رام بخش پیشکار کی توقعات کو پورا نہ کر سکے قرض کی
 مقدار ۶ لاکھ تک پہنچ گئی اور خزانہ میں کچھ ہی سامان ہو سکا۔ آخر ۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو
 اعلیٰ حضرت نے انہیں الگ کر دیا اور رزروٹنٹ کو بلا کر کہا کہ راجہ رام بخش نے مجھ سے
 قطعی وعدہ کیا تھا کہ ۶ لاکھ روپیہ ہمایا کر دیئے مگر ان کا وعدہ غلط نکلا اب مجھے
 مزید مہلت دو میں سپاس میں ۳ لاکھ روپیہ دیدوں گا اور اسکے بعد دو سال تک
 اندر پوری رقم ادا کروں گا۔ لیکن رزروٹنٹ نے مہلت دینے سے انکار کیا اور نہ اقرار

میمو آنرز صفحہ ۲۰۵ و ۳۰۶ لے

۵۷ ۳۱۴

۷۶
 ۱۶ دسمبر کو اعلیٰ حضرت نے سراج الملک کے ہاتھ پھر پیام بھیجا کہ ہم ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کے حساب سے قرض ادا کر دیں گے۔ لیکن رزٹرنٹ نے صاف جواب دیا کہ مجھے امید نہیں کہ گورنر جنرل اپنے فیصلہ کو بدل دیں گے۔ ۲۲ دسمبر کو اعلیٰ حضرت نے خود جنرل فریزر کو بلا کر فرمایا کہ میرے پاس اب بھی سوا کروڑ روپیہ کے جواب موجود ہیں تم برٹش گورنمنٹ کو اطمینان دلا دو کہ اس کا قرض ڈوبے گا نہیں۔ لیکن رزٹرنٹ کا وہی ایک جواب تھا کہ میں آپ کے ارشادات گورنر جنرل تک پہنچا دوں گا مگر مجھے امید نہیں کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدل لیں گے۔ اس طرح مدت معینہ گذر گئی اور قرض دانہ ہوسکا اس وقت قرض کی تعداد ۷۰ لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اس زمانہ میں براہ کو جسے ارض موعود سمجھا جا رہا تھا انگریزی تسلط سے تیار کرنے کی تدبیریں شروع کر دی گئیں انگریزی علاقہ سے روہیلوٹی ایک تعداد کثیر اس علاقہ میں محسوس آئی اور اس نے وہاں شورشِ بد امنی کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہاں کے پرامن باشندے انکی شرارتوں سے بھاگ بھاگ کر انگریز علاقہ میں پناہ لینے لگے۔ یہ ملک گیری کیلئے جواز کا پہلو نکالنے کی پرانی تدبیر ہے۔ مملکتِ برطانیہ کی توسیع کیلئے بار بار استعمال کی جا چکی ہے اسکے ساتھ ہی رزٹرنٹ نے جنوری ۱۸۵۷ء میں ملکِ برار کا پورا نقشہ مع تعلقہ وارانہ دی کے بنا کر گورنر جنرل کو بھیجا اور لکھا کہ میری رائے میں برار پٹن گھاٹ اور برار بال گھاٹ ہمارے مقاصد کیلئے بہترین ضلع ہونگے مگر انکے ساتھ ہیں سرکارِ دولت آباد کو بھی شامل کر لیا جائے یہی نہیں بلکہ انہی نامہ میں جنرل فریزر نے ان فرسٹ کو بھی نامزد کر دیا جسکے پیروہ برا کا انتظام کرنا چاہتا تھا

اس وقت نظام کے لئے مالی مشکلات سے زیادہ پریشاں کن یہ چیز تھی کہ وزارت کیلئے کوئی ایسا وفادار آدمی نہ ملتا تھا جو رزیدنٹ کے اثر سے آزاد رہ کر ایسنداری کے ساتھ ان کی خدمت کر سکے۔ فروری ۱۸۵۷ء میں انہوں نے غور و خوض کے بعد گئیش راؤ کو پیش کار بنایا جس کی خصوصیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ رزیدنٹ کے بجائے خود اعلیٰ حضرت کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن سکتا تھا لیکن اسکی ناقابلیت نے رزیدنٹ کو مخالفت کا اچھا بہانہ دیدیا اور اس نے گئیش راؤ کے ساتھ سرکاری تعلق رکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی اصلی سفاقت یہ تھی کہ نظام نے ایسے شخص کو پیش کار بنایا ہے جو ان کے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح ناچتا ہے۔ حالانکہ اس کو رزیدنٹ کے ہاتھ میں ناچنا چاہئے، فریزر کی رائے میں بہتر تو یہ تھا کہ سارا مالک انگریزی انتظام میں لے لیا جائے لیکن

لے یہاں اس امر کی تصریح ضروری ہے کہ فریزر ۲۹ مارچ ۱۸۵۷ء کے وسط تک ابراہیم بات پر زور دیتا رہا پوری سیاست انگریزی انتظام میں لی جائے لیکن لاڈل اس بڑا لاڈل ہنگ لاڈل ڈپٹی مینوں گو وزیر خیر لوگوں کو اپنے جھجکوت میں اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ اس پھل کو تے ابن بروکے زمانہ میں جب یہ مناش کیگئی تو اس نے اپنے ۲۴ فروری ۱۸۵۷ء کے خط میں صاف طور پر لکھ دیا کہ آج کل سندھو استیس فوج کی زیادہ ضرورت ہو میں جانتا ہوں کہ میں حید آباد میں بھی بہت کچھ کرنا ہے مگر میں ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتا جب اس کا وقت آئیگا تو اس کے معاملہ کو بھی سمجھایا جائیگا (میمو ایریز صفحہ ۲۰۶) لاڈل لاڈل ہنگ کے زمانہ میں جب فریزر نے پھر اس کو چھوڑا تو اس نے معذرت کی کہ سندھ میں بحال ڈپٹی کی جنوس ساگر زبدا لاہور سندھ میں پھنسی ہوئی ہیں اس لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا (میمو ایریز صفحہ ۲۰۹) پھر لاڈل ڈپٹی مینوں کے زمانہ میں اس نے متعدد مرتبہ اس تجویز کو پیش کیا ڈپٹی مینوں نے منافقانہ انداز میں جواب دیا کہ ہمارا ایسا کرنا بدعمر دی و پیشانی کا مترادف ہو گا۔

اگر ایسا نہ ہو سکے تو۔

”اس کا واحد بدل اگرچہ بہت ناکافی ہی ہو سکتا ہے کہ ایک دیوان اس صریح مفاہمت کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ اگرچہ وہ آخر میں تو اپنے بادشاہ اور ملک کے سامنے جوابدہ ہوگا لیکن حکمرانی میں اسکے اختیارات مطلق ہوں گے اور سے رزٹنٹ کی موافقت سے کام نہ کرنا ہوگا۔“
ایک دوسری تحریر میں فرزیر نے حیدرآباد کی مدارالمہامی کے متعلق اپنا نقطہ نظر اس طرح پیش کیا ہے۔

”اس ملک کے انتظام میں کوئی ایسا شخص اچھی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا جو ملک کے باشندوں کا اعتماد نہ رکھتا ہو اور اس سے بھی زیادہ ضروری صفت کی حیثیت سے جس کو برٹش گورنمنٹ کا اعتماد نہ حاصل ہو۔“

میمو آئیرز صفحہ ۳۳۱ لے

میمو آئیرز صفحہ ۳۳۲ لے

(بقیہ حاشیہ ص ۷۸) یہ سچ کہ پنجاب و صوبہ سرحد کی زبردست فوجی مشکلات اسکو اتنی اہمیت نہیں کی جیسا کہ پوری ریاست پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر کوئی یہ تسلیم کرے کہ ایک خط میں خود لکھتا ہے کہ خواہ واقعا چھپیں اس جب تک پنجاب میں جنگ ختم نہ ہوگا اور ملک کے اس حصہ کے معاملے نہ ہو جائیں حکومت ہند نہ تو حیدرآباد کی سلطنت میں کسی قسم کی بڑی اصلاح کا بار اٹھا سکتی ہے اور نہ کسی بڑے سیاسی انقلاب کا انتظام کر سکتی ہے اگر نظام اپنے مصائب کو بڑھانا پسند کرتے ہیں تو وہ خود اپنے راستے پر چلتے رہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو ابھی انکی خبر لینے کی فرصت نہیں ہے البتہ اگر وہ فی الواقع اظہار ہی چاہیں تو ایسی صورت میں بیشک ہم ان سے بھگتیں گے (میمو آئیرز صفحہ ۳۶۸)

رزٹنٹ اور نظام کے درمیان یہی کشمکش جاری تھی کہ ہر جولائی ۱۹۵۶ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری کی جانب سے ایک طویل مراسلہ جنرل فرزیر کو موصول ہوا جس میں برائیاں گھاٹ اور دو آبہ راچور کے متعلق اس کی تجاویز پر اظہار پسندیدگی کیا گیا تھا اور گورنر جنرل کی طرف سے اسکو ہدایت کی گئی تھی کہ نظام سے اس ملک کی تفویض کا مطالبہ کرے۔ آگے چل کر اس خط میں لکھا تھا کہ

”اگر نظام تمہاری مقرر کی ہوئی مدت کے اندر گورنمنٹ کے مطالبات کو پورا نہ کریں تو تم ان سے ایک قطعی جواب لینے کے لئے آخری ملاقات کی دستخط کرنا۔ اگر نہ رہائی نس اس موقع پر بھی راضی نہ ہوں یا ایسے انتظامات کرنے سے قاصر رہیں جو مطلوب ہیں تو اس سے تم گورنر جنرل کو مطلع کرنا۔“

اس قسم کی اطلاع ملنے پر تمہیں اس امر کے متعلق ہدایات بھیجی گئیں کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے مینہ اعراض کے لئے مذکورہ اضلاع پر قبضہ کر لو ان ہدایات کے ملنے کی امید پر تم کچھ کہہ کر آیا تمہیں سب ریڈیری فوج اور کینٹینٹ کے علاوہ کچھ اور فوج بھی اس فیصلہ کی تعمیل کیلئے دے گا ہوگی“

اس کے ساتھ ہی فرزیر کو لارڈ ڈلہوزی کا ایک خط بھی ملا جو اعلیٰ حضرت کے نام لکھا گیا تھا۔ خود لارڈ ڈلہوزی کے الفاظ میں اس کا مخاطب ایک پُرانا اور گہرا دوست تھا جس کے ساتھ پچاس سال سے زیادہ عرصہ سے برٹش گورنمنٹ کے ”دوستانہ تعلقات“ تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس خط میں اسی ”یار وفادار کو اس برٹش گورنمنٹ کے غصہ سے ڈرایا گیا تھا جسکی طاقت کا چال

”ہر گاہ خواہ اس عالی شان راہ مال ساختہ بے نام و نشان سازد“
 ان خستہ ناک دھکیوں کے ساتھ دو امور کا مطالبہ کیا گیا تھا ایک یہ کہ کنٹینٹ
 کے سلسلہ میں جو قرض ۵ لاکھ تک پہنچ چکا ہے اسے ادا کرو۔ دوسرے یہ کہ
 کنٹینٹ کے قرض باقاعدگی کے ساتھ دو جس کے تم از روئے معاہدہ پابند ہو
 ان دونوں اغراض کیلئے نظام پر زور دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عرب اور یورپی
 بیقاعدہ فوج کو برطرف کر دیں تاکہ کنٹینٹ کی پرورش کیلئے کافی رقم بچ سکے۔

اس خریطے نے دربار میں ایک کھلبلی مچا دی۔ نواب ناصر الدولہ کو ایک طرف
 گورنر جنرل کی درست کلامی سے انتہائی بیخ بہرہ نچا اور دوسری طرف ریاست کے
 مستقبل کے متعلق سخت تشویش لاحق ہوئی۔ آخر اس بلا کو ٹالنے کے لئے انہوں نے
 جون ۱۸۵۶ء کے آخر میں سرارج الملک کو از سر نو دیوان بنایا اور او ائے قرض کیلئے
 شدید جدوجہد شروع کر دی جو کچھ خزانہ سے ہیا ہو سکا وہ بہت کم تھا۔
 کمی کو پورا کرنے کے لئے نواب نے خود اپنے پاس سے ایک جینیہ۔ ایک سربٹی
 ایک کنٹینی۔ ایک مار۔ ایک طرہ۔ ایک بٹورہ متبند۔ اور ایک پارہ الماس تراشید
 دیکر اسے رہن رکھا۔ کچھ ریاست کے امراء سے روپیہ لیا اور اس طرح
 ۵ اگست ۱۸۵۶ء کو ۳۴۸۴۸ روپے کلدارز ریڈینٹ کے حوالے کئے اب صرف
 ۱۷۰۰ روپے باقی رہے کہ لارڈ ڈلہوزی نے خود بار بار اعتراف کیا تھا کہ نظام پر از روئے
 معاہدہ کنٹینٹ رکھنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۸۱
۳۲۹۷۷۰۲ روپے باقی رہ گئے تھے جس کے لئے نظام نے ۳۱ مارچ کو برکاس کی
مہلت لی۔ لیکن اس مدت میں اتنی رقم کا انتظام نہ ہو سکا اور ڈیسمبر میں صرف
۸۷۳۵۴۷ روپے ادا کئے جاسکے۔

۱۸۵۷ء کا آغاز اس طرح ہوا کہ نظام اداائے قرض کے لئے جاں توڑ جدوجہد
کر رہے تھے اور انگریزی حکومت قرض کے بدلہ میں ملک لینے کی تدبیروں میں
منہمک تھی۔ اب انگریزی حکومت کی طرف سے قرض کا تقاضہ بہت سست ہو گیا
تھا بلکہ اپریل ۱۸۵۷ء میں لارڈ ڈلہوزی نے ریڈسٹ کو لکھ دیا تھا کہ ۱۔
کنٹینٹ کی تنخواہیں باقاعدہ ادا کرنے کا ضرور انتظام کرو مگر اس وقت
کمپنی کے اصل قرضہ کی ادائیگی پر زور دینے سے احتراز کرو۔

ڈلہوزی کی خواہش یہ تھی کہ نظام کو کافی عرصہ تک قرض کی طرف سے
غافل رکھا جائے اور جب قرض اس حد تک پہنچ جائے کہ ادا کرنا ان کے لئے
مشکل ہو تو موقع ملے گا کہ قرض کی تفویض کا مطالبہ کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے
اواسط میں اسی پالیسی کے مطابق ملک مضحک کرنے کے لئے ڈلہوزی کو
پورا احساس تھا کہ موجودہ وقت سے معاہدات سے برٹش گورنمنٹ کو کنٹینٹ رکھنے
اور اس کا شرح نظام سے لینے کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ نظام
سے ایک جدید معاہدہ کیا جائے جس کی رو سے کنٹینٹ کو جو ادا کرنا پڑا جائے
اور اگر نظام اس پر راضی نہ ہوں تو ان سے زبردستی دستبردار کر کے جائیں۔ ۱۷ اکتوبر
۱۸۵۷ء کو اس نے فریئر کے نام جو خط بھیجا تھا اس میں بیان کرنے کے بعد

از روئے معاہدہ کنٹینٹ کا وجود جائز نہیں ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

”میرے بیان کردہ وجوہ کی بنا پر ہم کو قطعی طور پر یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ کنٹینٹ کو ایک ایسے معاہدہ کے ذریعہ واضح اور محفوظ بنیاد پر قائم کر دیا جائے جو خاص اسی مقصد کے لئے منعقد کے معاہدہ کے ضمیمہ کی حیثیت سے طے کیا جائے، کنٹینٹ کی مقدار اور اس کے فرائض وغیرہ بصراحت متعین کر دیئے جائیں اور اس کے مصارف کے لئے ایک حصہ ملک برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا جائے۔ یہ علاقہ محض تفویض کیا جائے گا۔ اس کے شاہی حقوق منتقل نہیں کئے جائیں گے اور یہ تفویض اسی بنیاد پر ہوگی جس پر سندھیا نے ۱۸۴۲ء میں گوالیار کا ایک علاقہ کنٹینٹ کے لئے تفویض کیا ہے وہ خاص علاقہ جو اس طرح تفویض کیا جائے گا وہی ہوگا جس کو حکومت ہند اس وقت تک اپنے تصرف میں رکھنے کی خواہش ظاہر کر چکی ہے جب تک کہ وہ قرضہ جو اس کے حق میں واجب الادا ہے پورا کا پورا بازیافت نہ ہو جائے حکومت کے حقوق استعمال کرنے کی قوت لاحالہ ہم کو ان ضلوع میں حاصل ہونی چاہئے جو نظام ہمارے سپرد کر س گے۔“

”اس تفویض کردہ علاقہ کی آمدنی انتظام کے اخراجات وضع کرنے کے بعد اس طرح صرف کی جائے گی (۱) کنٹینٹ کے مصارف میں (۲) مذکورہ بالا قرض کے سود میں (۳) چھوٹی چھوٹی ملازمت میں (۴) باقی بچت اگر ہوئی تو وہ نظام کو ادا کر دی جائے گی۔ اور انکی اطلاق و طمانیت کے لئے مفوضہ علاقہ کے حسابات سال کے سال حکومت ہند کی طرف سے پیش کئے جائیں گے۔“

اگر نظام اتنے غیر معقول ثابت ہوں کہ وہ ان تجاویز کو جو انہی کے مفاد کیلئے پیش کی جا رہی ہیں رد کر دیں تو یہ مسئلہ اتنا نازک ہو جائے گا کہ ابھی تک اتنا نازک نہیں ہوا ہے۔ سر دست میں اپنے آپ پر کسی ایسے طریق عمل کے اظہار و اعلان کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا جسے حکومت ہند اس صورت میں اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرے گی۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ نظام کی جانب سے کنٹینٹ کی نامنطوری کو گورنمنٹ منظور کر لے گی (خواہ وہ ایک ایسے رئیس کے طرز عمل کے متعلق کیسی ہی رائے رکھتی ہو جس کا رویہ اتنا غیر دیا مندار نہ ہو گا) تب بھی اس وقت اور آئندہ بھی کچھ عرصہ کیلئے کنٹینٹ کو رکھنا پڑے گا۔۔۔۔۔ نظام کو ہرگز اجازت نہیں دیا جاسکتی کہ اس فوج کو کلکتہ برطرف کر دیں اور اس کے سپاہیوں کو ملک پر لے جہاں چھوڑ دیں۔۔۔۔۔ پس اگر نظام کنٹینٹ کے بحال رکھنے کو نامنظور کریں تب بھی اس دوران میں کہ اس کو انجام کار فنا کرنے کی نیت سے رفتہ رفتہ گھٹایا جا رہا ہو۔ اس کے مصارف کا بندوبست ہونا چاہئے اس غرض کیلئے بھی ملک کی تقویض اتنی ہی ضروری ناگزیر ہے جتنی دوسری صورت میں ہو سکتی ہے نظام کو ملک دینے پر راضی ہونا چاہئے۔ اگر وہ انکار کریں گے تو برٹش گورنمنٹ حق و انصاف پر ایسی دست برد کو ہرگز گوارا نہ کرے گی اور بیان کردہ ان غرض کیلئے ان علاقوں پر عارضی قبضہ زبردستی حاصل کرے گی۔^۱

اس خط کے جواب میں جنرل فریزر نے اپنے خیالات بیان کرتے ہوئے

لارڈ ڈلہوزی کو بتایا کہ اس کی تجاویز نظام کے حق میں کسی ہیں اس نے لکھا کہ
 ”جہاں تک ہمارا تعلق ہے اس مجوزہ انتظام کا درست اور حق بجانب ہونا
 ناقابل انکار ہے مگر جہاں تک نظام کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس تجویز
 میں ان کی لقمینی بربادی اور ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے ان کے
 اقتدار کی کامل موت ہے۔ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ نظام کو اگر بُرے سے
 بُرے حالات میں بھی سنبھال کر دیا جائے۔ تب بھی وہ بڑش گورنمنٹ کے
 قطعی مطالبات یا احکام کی تعمیل میں کوئی مزاحمت کر سکیں گے مگر میں سمجھتا ہوں
 ہم کو ان سے اس خاموش مقابلہ کی ضرورت قیاس کرنی چاہئے جو اس شکل میں ہوگا
 کہ وہ مطلوبہ ضلوع کو ہمیں باقاعدہ تفویض کرنے سے انکار کر دیں گے اور اگر ہم
 ان اضلاع پر قبضہ کر لینا ہی پسند کریں تو وہ ہم کو جو ہمارا جی چاہے
 کر لینے دیں گے۔“

ایک طرف ”یار وفادار“ کو ”برباد“ کرنے اور اس کے ملک پر ”زبردستی“
 قبضہ کرنے کے لئے یہ منصوبے ہو رہے تھے اور دوسری طرف خود ”یار وفادار“
 اپنی عزت اور سلطنت کے بچانے کے لئے آخری جدوجہد کر رہا تھا۔ ۱۸۵۲ء
 کے آخری زمانہ میں حیدرآباد کے بڑے بڑے ساہوکاروں کی ایک انجمن مسٹر
 ڈائٹن ————— کے زیر صدارت قائم
 کی گئی تاکہ متحدہ سرمایہ سے ایک سرکاری بینک کھولے اور حکومت کی مالی
 حالت درست کرنے کی کوشش کرے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر نے اس جماعت سے ۴۸ لاکھ روپیہ قرض لینے کا بندوبست کیا اور کفالت میں نہایت قیمتی جواہر پیش کئے جنہیں مسٹر میٹن کی حفاظت میں دیدیا گیا۔ اس انتظام کے بعد سراج الملک نے رزیدنٹ کو مطلع کیا کہ عنقریب کمپنی کا قرض ادا کر دیا جائے گا اور رزیدنٹ نے اسکی اطلاع لارڈ ڈلہوزی کو دیدی۔ اگر لارڈ ڈلہوزی ایک "ایماندار پبلک مین" ہوتا جیسا کہ اس کا دعویٰ تھا تو اسے اس اطلاع کو اطمینان کی نظر سے دیکھنا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے برعکس یہ خبر سنتے ہی وہ پریشان ہو گیا اور اس نے فوراً رزیدنٹ کو لکھا کہ برطانی رعایا کے کسی فرد کی جانب سے کسی دیسی والی ریاست کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز یا گورنمنٹ آف انڈیا کے کسی گورنر یا جلاس کونسل کی اجازت کے بغیر روپیہ قرض دیا جانا پارلیمنٹ ایکٹ (۱۷۷۱)

George 111 Ch. 142 Sec. 28. کے خلاف ہوگا۔ اس کے ساتھ

ہی ڈلہوزی نے رزیدنٹ کو حکم دیا کہ بلا تاخیر اس کو اطلاع دے کہ یہ بینک کن لوگوں نے کھولا ہے اور کون اس کو چلارہا ہے؟ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی یورپین ہو تو حیدرآباد کی حکومت کو معاہدہ ۱۷۹۸ء کی دفعہ ۶ کے ماتحت اس سے کوئی کام لینے یا اس کو اپنے حدود و مملکت میں رہنے کی اجازت دینے سے روک دیا جائے۔

اس حرکت کے معنی بیان کرنا اسکی وضاحت کی توہین کرنا ہے اس میں انگریزی قوم کے سیاسی اخلاق کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ انی روشن

۸۶
 ہر کہ شرح بیان کی محتاج نہیں۔ لارڈ ڈلہوزی برار لینے کا غم کر چکا تھا فرض
 وصول ہونے یا نہ ہونے کنٹینٹ کے قاسم رہنے یا نہ رہنے کی اس کو پرواہ نہ تھی۔
 اسے بہر حال برار لینا تھا اس لئے جو کوئی اس کی اس خواہش میں مزاحم ہوتا ہوا
 قدرتی طور پر ایسا ہی مجرم ہونا چاہئے تھا کہ حیدر آباد میں کاروبار کرنا کیسا معنی
 نظام کے مالک محروسہ میں بھی اس کے خطرناک وجود کو نہ رہنے دیا جاتا۔ چنانچہ
 مسٹر ڈائٹن کو بہت جلدی حیدر آباد سے نکال دیا گیا۔ اور چونکہ وہ بھی لارڈ
 ڈلہوزی کے ہم قوم تھے اس لئے ان کا بھی کم از کم اتنا فرض ضرور تھا کہ چلیے چلیے
 وہ جواہر ت بھی لے جاتے جو مجوزہ قرض کی کفالت میں حضور نظام نے دیئے تھے۔
 ان جواہر ت کو بعد میں سر سالار جنگ مرحوم نے بڑی کوشش سے حاصل کیا جبکہ
 قریب تھا کہ وہ ہالینڈ میں بیچ دیئے جاتے۔

اس طرح جب روپیہ حاصل کرنے کی تمام تدبیروں میں ناکامی ہوئی اور
 شاہی خزانے کے پیش قیمت جواہر کا ایک بڑا حصہ قبضہ سے نکل گیا تو نظام
 بالکل بے بس ہو گئے۔ ان کی سلطنت کی مالی حالت اس وقت حد سے زیادہ خراب
 ہو رہی تھی۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ وسائل ثروت تقریباً سب کے سب۔ ہال
 کی مسلسل بد نظمی اور فضول خرچی کی نذر ہو چکے تھے۔ آمد و خرچ کے عدم توازن کا حال
 تھا کہ ۲۰ لاکھ روپیہ سالانہ پیسہ گھٹا آ رہا تھا۔ صرف فوج کا خرچ ایک کروڑ
 سالانہ سے زائد تھا حالانکہ ریاست کی کل آمدنی نظم و نسق کے مصارف کو
 وضع کر کے صرف ایک کروڑ ۲۲ لاکھ تھی ایسی حالت میں ریاست کے خزانہ سے

۵۰ لاکھ ادا کرنا اور پھر ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ بھی ادا کرتے رہنا ناممکن تھا۔ اب دوسری صورت صرف یہی تھی کہ اس خاندانی دولت کو نکالاجاتا جو نظام کے برسرِ کار نے ڈیڑھ صدی کے اندر جمع کی تھی سوا گزرتی دستوں کی بدولت اس خاندانی دولت کا بھی ایک معتد بہ حصہ ہاتھ سے نکل گیا اور اس خاندانہ اٹھانے کے موقع بھی چھن گئے۔ یہی بے بسی کی حالت تھی جس میں نظام کو تفویض برار کے اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا جو کرنل ڈیوڈسن اسٹنٹ رزٹرنٹ کے الفاظ میں دھمکیوں اور پھیکوں کا نتیجہ تھا۔

قرض کی اصلیت

تفویض برار کا معاہدہ جس طرح ہوا اسکی کیفیت بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ قرض جس کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس کی اصلیت کیا تھی اور قانوناً عرفاً، اخلاقاً وہ کہاں تک نظام کے ذمہ واجب الادا ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے ذیل کے امور خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔

(۱) سٹیجٹ قائم کرنے کے لئے نظام کی باضابطہ منظوری حاصل نہیں کی گئی تھی اور جن پیشکار سے معاملہ طے کر کے اس کو نظام کے سپرد کیا دیا گیا تھا یہ فعل نہ صرف قانوناً ناجائز تھا بلکہ انتہاء کے معاہدہ کی دفعہ ۵ کے بھی خلاف تھا۔ جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ نہرائی نس کی اولاد عزیز و اقارب رعایا اور ملازموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گی۔ اس معاہدہ کی رو

۸۸
کمپنی کی حکومت کو کوئی حق نہ تھا کہ نظام کی اجازت کے بغیر بالابالا پیسٹھار سے ایک
ایسا معاملہ طے کر لیتی جس سے سلطنت کے خزانہ پر ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ کا ناقابل
برداشت بار پڑتا تھا۔

(۲) کنٹیننٹ باوجودیکہ نظام کے خرچ پر رکھی گئی تھی مگر اس کے انتظام میں
نظام کو کوئی دخل دینے کی اجازت نہ تھی خود کمپنی کے ذمہ دار افسروں نے حتیٰ کہ
خود گورنر جنرل نے تسلیم کیا کہ کنٹیننٹ کے مصارف حد سے زیادہ ہیں لیکن جب
تاکہ اس کا خرچ نظام کے خزانہ سے وصول ہوتا رہا اس وقت تک اس میں
ایک پیسہ کی کمی نہیں کی گئی۔ اگر کمپنی تفویض برار کے معاہدہ سے صرف ۴ سال
پہلے ہی کنٹیننٹ کے مصارف میں اتنی تخفیف کر دیتی جتنی کہ معاہدہ کے بعد
چار سال کے اندر اس نے کی تو ۱۸۵۷ء میں نظام کے ذمہ کمپنی کا ایک پیسہ قرض
نہ ہوتا بلکہ نظام کے خزانہ میں الٹے دس لاکھ روپیہ بچ رہتے۔

(۳) ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۲ کی رو سے نظام نے صرف یہ عہد کیا تھا
کہ کسی تیسری طاقت سے جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ ۱۵ ہزار سپاہیوں
سے انگریزی حکومت کی مدد کریں گے اس کا یہ گزشتہ زمانہ تھا کہ وہ اپنے خرچ کو
انگریزوں کی مدد کے لئے خود انگریزوں کی نگرانی میں ۹ ہزار فوج ہمیشہ رکھیں گے
خواہ جنگ ہو یا نہ ہو خود لارڈ لہوری کے اقرار کے مطابق ۳۵ سال تک
انگریزی حکومت کو ایسی کوئی جنگی ضرورت پیش نہیں آئی جس کے لئے نظام سے
مدد طلب کی جاتی۔ پس اس لحاظ سے نظام کو خواہ مخواہ ۳۵ سال تک ۴۲ لاکھ روپیہ

(یعنی کل ۴۴ کروڑ ۷۷ لاکھ) ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ حالانکہ معاہدہ کی رو سے ان پر یہ روپیہ دینے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔

(۴) شش ماہ کے معاہدہ کی رو سے نظام نے ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ملک (جو میسور کی دولتوں میں ان کے ہاتھ آیا تھا) کمپنی کو اس غرض سے دیا تھا کہ وہ ان کی امداد کے لئے فوج رکھے۔ جس کا خرچ اس وقت ۲۴ لاکھ سالانہ تھا اس امدادی فوج کا از روئے معاہدہ یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ ”اگر مستقبل میں شورا پور یا گدوال کے زمیندار یا نہائی نس کی حکومت

کے دوسرے وابستگان توابع (Subjects or Dependants)

سرکار کے جائز مطالبات کو جو ان پر ہوں ادا نہ کریں یا بغاوت کی آگ بھڑکائیں یا شور و شغب پھیلائیں تو جمعیت نعلبندی

(۱) سب سیڈیری فورس (یا اس کا انحصار جو ضروری ہو

جرم کی حقیقت پوری طرح تحقیق کرنے کے بعد نہائی نس کی اپنی افواج کی محبت میں ایسے تمام مجرموں کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے جانے پر تیار ہوگی۔

اس دفعہ کی رو سے سرکار نظام اس امر کا پورا حق رکھتی تھی کہ اسکی رعایا میں سے جب کبھی کوئی سرکشی کرے تو وہ جمعیت نعلبندی کی خدمات کمپنی سے حاصل کرے لیکن کمپنی چونکہ اس فوج کا خرچ مع شے زائد نظام سے وصول کر چکی تھی اس لئے اس نے شور و شغب اور سرکشیوں کو فرو کرنے کے لئے اس کی خدمات دینے سے ہمیشہ انکار کیا اور ان ہی فراموش کو جو

جمعیت نعلبندی پر از روئے معاہدہ عاید ہوتے تھے کنٹینٹ پر ڈال دیا کیوں کہ اس کے مصارف کا بار خود نظام کے خزانہ پر پڑتا تھا۔ ۳۵ سال کی مدت میں حیدرآباد کنٹینٹ نے نظام سرکار کی جتنی خدمات انجام دیں وہ سب کی سب شاہ کے معاہدہ کی رو سے خود کمپنی کی جمعیت نعلبندی کو انجام دینی چاہئے تھیں۔ اس لئے حکومت نظام سے ان کا معاوضہ وصول کرنا جبکہ معاوضہ پہلے ہی ۶۳ لاکھ کے ملک کی صورت میں دیا جا چکا تھا سرکار نا جائز تھا۔

(۵) جمعیت نعلبندی کے فرائض منصبی انجام دینے کے لئے خود نظام کے خرچ پر کنٹینٹ رکھ کر انگریزی حکومت نے یہ فائدہ اٹھایا کہ جمعیت نعلبندی کے مصارف میں بہت کمی ہو گئی صرف یہی نہیں کہ فوجی خدمات ادا کرنے میں جو خرچ ہوتا وہ بیچ رہا، ملکہ حکومت نے فوج کی تعداد کو بھی اس سے کم کر دیا۔ جتنی از روئے معاہدہ اس کو رکھنی چاہئے تھی خود کورٹ آف ڈائریکٹرز میں میجر مور نے جو بیان ۱۸ نومبر ۱۸۵۷ء کو دیا تھا اس میں یہ لکھا ہے کہ

”ہم نے اپنی امدادی فوج کی جھنڈوں کی عددی قوت کو پیدل فوج میں ایک ہزار بندوق برداروں سے گٹھا کر ۵۰ کر دیا اور سوار فوج میں ۵۰۰ شمشیر زنوں سے کم کر کے ۲۰ کر دیا ہے۔ اور اس طرح گزشتہ

۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی رو سے لے ہوا تھا کہ ۱۸ ہزار سپاہیوں کی آٹھ پلٹیں اور ایک ہزار سواروں کی دو جھنڈیں رکھی جائیں گی مگر میجر مور کے بتا ہونے

۳۰ سال سے حیدر آباد کے علاقہ میں ہم نے جو فوج رکھی ہے وہ اس

نقداد سے بقدر زاید ایک رینج کم ہے جس کے رکھنے کا ہم نے عہد کیا

تھا اور جس کا خرچ بھی ہم پیشگی وصول کر چکے تھے۔ ہم نے اپنے عہد و پیمان

میں یہ کوئی بھی کس بنا دہری کی؟ ہم کو اس فوج کا خرچ وصول کرنے کا کیا حق

تھا جو دراصل ہم نے نہیں رکھی؟ اگر اوپر کے واقعات درست ہیں تو کیا

ہم اس پر مجبور ہیں یا نہیں کہ ہم نے جو کچھ نظام سے وصول کیا ہے اور جبکہ

بدل ان کو نہیں دیا ہے اس کا حساب نظام کو دیں؟

پس انصاف یہ چاہتا ہے کہ ۳۰ سال تک ۲۱۶ سپاہیوں کی کمی سے
انگریزی حکومت جو روپیہ بچاتی رہی وہ نظام کو واپس دیتی۔ کم از کم اندازہ کے
مطابق یہ رقم دو کروڑ روپیہ سے کم نہ تھی اور اس حساب سے ۱۹۵۳ء میں
بجائے اس کے کہ کمپنی حضور نظام سے ۴۳ لاکھ روپیہ کے قرض کا مطالبہ کرتی
حضور نظام کو اس قرض کی رقم وضع کر کے کمپنی سے ۱۵ لاکھ کا مطالبہ کرنا
چاہئے تھا۔

(۶) ۱۹۱۲ء سے ۱۹۵۳ء تک کمپنی ناجائز طور پر جالندہ اور سکندر آباد میں
حضور نظام کی رعایا سے آبکاری کے محاصل وصول کرتی رہی ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۶ء

میمو آئیرز صفحہ ۳۶۱ ۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) حساب کے مطابق کمپنی نے سپاہیوں کی نقداد ۸ ہزار سے

گٹھا کر ۶ ہزار کر دی اور سواروں کی نقداد ایک ہزار سے گٹھا کر ۸۴۰ (دیکھو ایچی سن

جلد ۹ صفحہ ۶۸ و ۶۹)

میں سرکار نظام نے اس پر اعتراض کیا اور اپریل ۱۹۵۲ء میں خود نواب ناصر الدولہ بہادر نے اس مدکی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی اس مدکی آمد ایک لاکھ روپیہ سالانہ تھی اور ۱۴ سال سے وصول کی جا رہی تھی اگر اس کا سوونہ لگایا جاتا تب بھی ۱۹۵۸ء میں کمپنی کے ذمہ سرکار نظام کا ۴۱ لاکھ روپیہ واجب الادا تھا۔

یہی امور میں جن کی بناء پر انگریزی رزٹرنٹ کرنل ڈیوڈسن نے اپنے ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء کے مراسلہ میں صاف لکھ دیا تھا کہ

”میری ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ اگر دونوں حکومتوں کے مالی مطالبات

کی غیر جانبداری کے ساتھ جانچ پڑتال کی جائے تو ہم ۴۳ لاکھ روپیہ

(کلدار) کے موجودہ قرض کا کوئی جائز دعویٰ نظام پر نہیں کر سکتے جس وقت

نہرائی نس کے ملازمہام پر کنٹریٹ کے بقایا کا تقاضا کیا گیا تھا اس نے

۱۹ اگست ۱۹۵۸ء کو اپنے ایک نوٹ میں سکندر آباد اور جالندہ کی آبکاری

کے محال میں سے جنل باقیات کا مطالبہ کیا تھا ہم اس آمدنی کو جو ایک

لاکھ سالانہ تک پہنچتی ہے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۵۹ء تک یعنی ۱۴ سال

تک اپنے حساب میں وصول کرتے رہے حالانکہ یہ رقم بغیر کسی سود کے ہمارے

مطلوبہ قرضہ میں سے ۴۱ لاکھ روپیہ نظام کے حساب میں جمع کر دیتی ...

..... مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے اوپر بیان کیا ہے اس سے

یہ بات ظاہر ہوئی چاہئے کہ ۱۹۵۳ء میں نظام پر کوئی جائز مالی

مطالبہ نہیں رکھتے تھے یا اگر رکھتے تھے تو بہت کم تھے

یہ ہے اس قرض کی حقیقت جس کے لئے نظام پر اس قدر سخت تھامنے
 کئے جا رہے تھے جس کے لئے نظام کی ”دیانتداری“ معرض بحث میں لی جا رہی تھی
 اور جس کے لئے لارڈ ڈلہوزی انگریزی حکومت کے ”حقوق“ اور مفاد کی خطا
 کرنے پر اس قدر مستعدی کے ساتھ آمادگی ظاہر کر رہا تھا۔ نئے مہاجن تو اپنے
 قرضداروں پر صرف اتنا ہی ظلم کرتے ہیں کہ اپنی ہی میں سود و سود گکار
 فرضی حساب بناتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے بس میں کچھ نہیں
 ہوتا کیونکہ اپنا مطالبہ پورا کرانے کے لئے انہیں پہلے عدالت میں جانا پڑتا ہے
 پھر اسے قانوناً جائز ثابت کر کے ڈگری حاصل کرنی پڑتی ہے۔ پھر فرق امین
 کی خوشامد کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے نظام کو جس قرض خواہ سے
 واسطہ پڑا تھا وہ بیک وقت مہاجن بھی تھا۔ مصنف بھی تھا اور قرق
 امین بھی، اس نے پہلے خود ہی حساب بنایا، پھر اپنے ہی حق میں ڈگری
 بھی دے لی۔ اور اس کے بعد خود ہی قرقی کا وارنٹ بھی لے آیا، ایسے
 وارنٹ کے مقابلہ میں بیچارے مدیوں کے لئے اپنی جائیداد ضبط کر دینے
 کے سوا اور کیا چارہ کار باقی رہ سکتا ہے

تفویض برار

آئیے اب ہم دیکھیں کہ ضابطی جائیداد کی کارروائی کس طرح عمل میں آئی
 مارچ ۱۹۵۷ء میں کنرل لوزیڈنٹ بنا کر حیدر آباد بھیجا گیا ۲۰ اپریل کو
 میو آئیرز صفحہ ۳۶۵

اسے نظام کے ساتھ ایک جدید معاہدہ کی گفت و شنید کے لئے خاص ہدایات وصول ہوئیں اور اس کے ساتھ مجوزہ معاہدہ کا مسودہ بھی پہنچا جس میں کنٹینٹ کی تنخواہوں کے لئے ۳۶ لاکھ روپیے سالانہ کا ملک دو اربا برٹش گورنمنٹ کو تفویض کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ کرنل لونے یہ مسودہ سراج الملک کو دکھایا تو انہوں نے اپنے آقا کے حق ملک کو فراموش کر کے اور خود اپنے وطن کی عزت کو بھلا کر جواب دیا کہ ریاست کے معاملات اس وقت اتنے بگڑے ہوئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو اپنے بیٹیں خوش قسمت سمجھنا چاہئے کہ انہیں ایسا معاہدہ کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ایک بچہ بھی اگر وہ تعصب اور غلط صلاح کاروں کے اثر سے پاک ہو تو وہ دیکھ لے گا کہ مجوزہ معاہدہ کو قبول کرنے میں نظام اور ان کی حکومت کے لئے بڑی اور واضح منفعت ہے۔ اس کے بعد جب یہی مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے سنتے ہی انہوں نے فرمایا کہ خدا نہ کرے مجھے یہ دولت سہنی پڑے۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت مغفرت منزل نے ایک تقریر کی جس کے بعض حصے کرنل لونے اپنے ۴ مئی ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں نقل کئے ہیں اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں ان کے جذبات کیا تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ

”ہاں پہلے بھی تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ تم ایک نیا عہد نامہ تجویز کرنے والے ہو مگر تم نے کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میرے سامنے اس قسم کا معاہدہ پیش کیا جانے والا ہے۔ تم نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ تم مجھ سے

میری مملکت کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کی درخواست کرنا چاہتے ہو کیا میں نے کبھی انگریزی حکومت سے جنگ کی ہے؟۔
یا اس کے خلاف سازش کی ہے؟ یا اس کا ساتھ دیتے رہنے اور
اس کی خواہشات کی پیروی کرتے رہنے کے سوا کچھ اور کیا ہے؟
آج میری یہ تذلیل کی جا رہی ہے؟

کرنل لونے جواب دیا کہ اس معاہدہ میں آپ کی تذلیل کرنے والی
کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر مغفرت منزل نے فرمایا

”ایک بادشاہ کے لئے دو فعل ہمیشہ ذلت آمیز سمجھے جاتے ہیں ایک

اپنے آبائی ملک کا کوئی حصہ چھوڑ دینا اور دوسرے اپنی بہادر اور
کار آزمودہ فوج کو برطرف کر دینا۔ تم جیسے اصحاب کہ کبھی فرنگستان
میں ہوتے ہو تو کبھی ہندوستان میں، کبھی امور سلطنت میں حصہ
لیتے ہو تو کبھی سپاہی بن جاتے ہو، کبھی ملاجی کا پیشہ اختیار
کرتے ہو تو کبھی بازار گانی کا (میں نے سنا ہے کہ تمہارے گروہ
میں سے بعض بڑے آدمی سوداگر بھی رہے ہیں) تم اس معاملہ میں
میرے احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں ایک خاندانی رئیس ہوں
اسی سلطنت میں جو سات پشت سے میرے خاندان میں چلی آ رہی ہے
جینے اور مرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی اس
سلطنت کا ایک حصہ دو اٹا تمہاری حکومت میں دے کر خوش
رہ سکتا ہوں؟ اس پر خوش ہونا بالکل ناممکن ہے۔ مجھے اس کو

اپنی ذلت سمجھنا چاہئے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے گروہ کے کوئی صاحب یہ خیال رکھتے ہیں کہ اگر مجھے بھی خوش خاں (نواب ارکاٹ) کی حالت میں رکھا جائے تو میں خوش اور مطمئن رہوں گا یعنی مجھے کسی پرانے ملازم کی طرح ایک وظیفہ دے دیا جائے اور میں کھانے، سونے اور نماز پڑھنے کے سوا کسی کام سے واسطہ نہ رکھوں۔ مگر (یہاں اعلیٰ حضرت نے ایک عربی کا مقولہ نقل کیا ہے) جسے کرنل کو نہیں سمجھ سکتا..... خیر تم میرے شاہانہ احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔ تم کہتے ہو کہ یہ معاہدہ کرنے سے مجھے ۸ لاکھ روپیہ کی ہجرت ہو جائے گی اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر ۸ لاکھ سے چہار چاند بھی ہجرت ہو تب بھی میں مطمئن نہ ہوں گا کیوں کہ میں اپنا ملک چھوڑ کر اپنی عزت کھو دوں گا۔

اس کے بعد نواب مرحوم نے رزٹرنٹ کو رام کرنے کی کوشش کی اور اس سے کہا کہ اگر محض کنٹیننٹ اور تھپیلے قرض کی خاطر یہ ملک مانگا جا رہا ہے تو میں چار ہینے کے اندر اندر قرض ادا کر دوں گا اور آئندہ کے لئے ماہ پانچ تنخواہیں ادا کرنے کا انتظام ہو جائے گا۔ مگر وہاں ملک لینے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس لئے رزٹرنٹ نے اس وعدہ کو قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے کہا کہ :-
 ”فرض کر ڈا اگر میں یہ کہوں کہ کنٹینجٹ ہی کو نہیں چاہتا تب تم
 کیا کرو گے؟“

کرنل لونے جواب دیا کہ ایسی صورت میں ہم کنٹینجٹ کی برطرفی کو
 قبول کر لیں گے مگر اسے نیکلخت برطرف نہیں کیا جائے گا بلکہ رفتہ رفتہ
 کیا جائے گا جس میں کئی سال لگیں گے اور اتنی مدت کے لئے پھر بھی ہم کو
 ان کی تنخواہوں کے لئے ان اضلاع کی ضرورت پڑے گی جو ہم مانگ
 رہے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خواہ کنٹینجٹ رہے یا نہ رہے
 دونوں حالتوں میں ملک نہ چھوڑا جائے گا۔ پھر اعلیٰ حضرت نے یہ
 تجویز پیش کی کہ ملک برار شمس الامراء امیر کبیر کے سپرد کیا جائے اور
 وہ قرض اور کنٹینجٹ کی تنخواہیں ادا کرنے کا انتظام کریں مگر زرینٹ
 نے اس کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ برار کا علاقہ زرینٹ نہ ہو اور
 شمس الامراء دونوں کے انتظام میں دیا جائے یہ دو علی کی صورت
 ناقابل قبول تھی۔ اس کے بعد زرینٹ نے ۱۴ مئی کو گفت و شنید
 کا سلسلہ بند کر دیا اور مطالبہ کیا کہ ”ہاں“ یا ”نہیں“ کا آخری
 جواب دیدیا جائے۔ پھر ۱۹ مئی کو کرنل ڈیوڈسن اسسٹنٹ

رزڈینٹ) نے سراج الملک کے نام ایک خط بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے۔

”میرے عزیز نواب۔ مجھے یقین ہے کہ رزڈینٹ آج شام کو آپ سے ملاقات کرنے کی خواہش کریں گے۔ تاکہ آپ کو اطلاع دیں کہ نظام سے انکی گفت و شنید اب ختم ہوتی ہے۔ اور آج کی ڈاک سے وہ گورنر جنرل سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ فوجوں کو حرکت نہ دے۔ ہربائی لنس نے چار مہینے کی ہولت مانگی تھی مگر اس مدت میں بھی یقینی طور پر فوجوں کی تنخواہیں ادا کرنے کی شرط نہیں کی تھی۔ اس لئے اسے نامنظور کیا گیا تاہم اگر وہ ایسا کرتے تب بھی اسے نامنظور کیا جاتا۔ کیوں کہ یہ گورنر جنرل کی ہدایات کے خلاف تھا۔

ہربائی لنس نے پھر یہ تجویز پیش کی کہ ۴۰ لاکھ کا ملک کنٹریٹ کی تنخواہوں کے لئے شمس الامراء کے ہاتھ میں دیدیں۔ اس پر رزڈینٹ نے کہا کہ ”ہنیں“ کیونکہ ان کو اس امر کا یقین نہیں لایا جاسکتا کہ ہربائی لنس کی حکومت یا ان کے افسروں کی طرف سے اس میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر یہ تعلقے رزڈینٹ اور شمس الامراء یا حیدرآباد کی حکومت کے کسی دوسرے افسر کو مشترک بننا کر سپرد کر بھی دیئے جاتے (اس طرح کہ انہی کو ان اضلاع کا پورا انتظام اور اختیار دیدیا جاتا اور وہ صرف ہربائی لنس کو سالانہ حساب دینے کے ذمہ دار ہوتے) تب بھی رزڈینٹ صرف یہ

کر سکتے تھے کہ ان تجاویز کو کلکتہ بھیج دیتے۔ باقی اسکی ذرہ برابر مہیا نہیں تھی کہ گورنر جنرل اس کو منظور کر لیں گے۔

”ہنر ہائی نس نے مذکورہ بالا تجویز (یعنی شمس الامراء اور رزیڈنٹ کی دو عملی) کو بھی قبول نہیں کیا ہے اس لئے انہوں نے اس چیز سے نجات چل کرنے کا آخری موقع بھی کھو دیا جو ان کے احساس وقار و کمکت کے منافی تھی اب وہی تجاویز جو پہلے پیش کی گئی تھیں اور پھر پیش کی جاتی ہیں اور ایسے غیر دستاویز حذب بات کے ساتھ کی جاتی ہیں جو میری رائے میں معاملات کو انتہائی حدود تک پہنچا دیں گے۔ فی الحقیقت میرے پاس پونا سے میرے بھتیجے کا خط آیا ہے جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ ۷۸ ہائی لیڈرز اور جنرل محبئی کی رجمنٹ نمبر ۸۷ کو حیدرآباد پر چڑھائی کے لئے تیار رہنے کے احکام پہنچ گئے ہیں۔ یہت فرض کر لیجئے کہ فوجی کارروائی صرف اضلاع (برار) تک محدود رہے گی۔ اگر آپ ہنر ہائی نس کے دوست ہیں تو ان سے التجا کیجئے کہ اپنی ذات اور اپنی عزت کو بچانے کے لئے گورنر جنرل یقیناً ان کو مجبور کر دیں گے۔“

کو تھہ ڈیوڈ سن

یہ فوجی حملہ کی دھمکی کسی دشمن کو نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ ایک دوست کو دی گئی تھی۔ اور دوست بھی وہ وفادار دوست جس نے ابتدائے قیام سلطنت برطانیہ سے آج تک کبھی اس سلطنت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جو ۱۷۹۹ء سے لیکر آج تک ہر موقع پر اس سلطنت کا ساتھ دیتا رہا اور جس نے ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے خلاف اس سلطنت کی مدد کر کے اس کی بنیادیں ہندوستان میں مضبوط کیں مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا تھا جبکہ نظام الملک کی سخاہ لطف کے بغیر مدراس میں فراموشیوں سے جان بچانی مشکل تھی، نہ وہ زمانہ رہا تھا جبکہ حید علی اور ٹیپو سلطان کی تلوار سے بچنے کے لئے آصف جاہ کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت تھی اور نہ وہ زمانہ باقی رہا تھا جبکہ مرہٹوں کی خطرناک فضا کو مٹانے کے لئے یار وفادار کی مدد و کار تھی، اب وہ تمام ماز گشت زمانے گزر چکے تھے اور انگریزی سلطنت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ دوستوں کی دوستی اس کے لئے کچھ زیادہ قیمتی نہ رہی تھی اس لئے پرانا آئین وفاداری بدگلیہ جہر و محبت کی رسم کہن ختم ہو گئی اور دشمن کو دشمنی کی پاداش میں نہیں بلکہ دوست کو دوستی کے جرم میں وہ بدلہ دیا گیا جو شرفا دشمنوں کو بھی کم دیتے ہیں۔

نواب ناصر الدولہ حیدر آباد پر فوج کی چڑھائی کے معنی سمجھتے تھے۔ مقاومت بے سود تھی، عربوں، روہیلوں اور دوسری جنگجو قوموں کی بے قاعدہ فوج اگر لڑتی بھی تو کمپنی کی باقاعدہ فوج کے سامنے چند

گھنٹوں سے زیادہ نہ ٹھہر سکتی تھی۔ اس کے بعد پوری ریاست پر قبضہ کیا جاتا اور نظام الملک آصفیہ کے خاندان کے ساتھ بھی خاکم بدین وہی سلوک کیا جاتا جو اورنگ زیب عالمگیر کے خاندان کے ساتھ دہلی میں کیا گیا لہذا کرنل ڈیوڈسن کے خط کا جواب وہی ہو سکتا تھا جو دیا گیا۔ یعنی دوسرے ہی روز سراج الملک نے رزیدنٹ کو اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت معاہدہ کو منظور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ۲۰ مئی ۱۷۰۷ء کو کرنل نوخوش خوش دربار میں حاضر ہوئے اور تفویض برار کے معاہدہ پر دستخط لکیرے واپس گئے اس معاہدہ کے اہم نکات محتاج تشریح ہیں۔

(۱) واقعات سے ظاہر ہے کہ نظام اس دستاویز پر دستخط کرنے کیلئے بالکل راضی نہ تھے، انہوں نے آخر وقت تک اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور صرف اس وقت اس کی توثیق کی جب انہیں یقین دلایا گیا کہ مزید انکار کی پاداش میں ان کی سلطنت اور ان کی جان تک کی خیر نہیں ہے۔ خود کرنل ڈیوڈسن جو اس وقت اسٹنٹ رزیدنٹ تھا اور بعد میں رزیدنٹ کے عہدہ پر ممتاز ہوا اپنے ۲ ابراہیم برہنہ ۱۷۰۷ء کے مراسلہ میں اعتراف کرتا ہے کہ ”میں ان دھمکیوں اور جھپکیوں کا اپنی شاہد ہوں جو سابق نظام کو گورنمنٹ کی تجاویز قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔“ اس تحریف مجرا نہ کے ساتھ جو معاہدہ عمل میں آیا،

۱۰۴
اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی معاہدہ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک کھلا
ہوا استحصال بالجبر تھا اور ساری کارروائی از اول تا آخر ناجائز تھی۔

(۲) امدادی فوج (سب سیدی ٹری فورس) کے متعلق ۱۹۹۸ء

کے معاہدہ میں طے ہوا تھا کہ وہ ہر ماہی نس ان کے ورثاء اور ان کے
جانشینوں کی ذات کی نسبتاً بعد نسل حفاظت کرے گی۔ اور تمام باغیوں
اور ان لوگوں کو جو اس ریاست کے ممالک محروسہ میں شورش پھیلائیں
ہنگو نسا کرے گی۔ مگر ذرا ذرا سی باتوں کے لئے ان کو استعمال نہیں کیا
جائے گا۔ اور نہ سبندی کے طور پر اس کو مالگداری وصول کرنے کے لئے
اقطاع ممالک میں متعین کیا جائے گا۔ (دفعہ ۵)

۱۹۸۷ء کے معاہدہ میں نواب آصف جاہ نے ۶۳ لاکھ کالک دیکر
مذکورہ بالا معاہدہ کی اس شرط کو منسوخ کر دیا۔ ذرا ذرا سی باتوں کیلئے
استعمال نہیں کیا جائے گا اور اس کے بجائے دفعہ ۷ میں یہ طے کیا کہ جب
کبھی نظام کی رعایا میں سے کوئی شخص سرکار نظام کے جائز مطالبات کو
ادا کرنے سے انکار کرے گا، یا شورش و بدمنی پھیلائے گا تو اس کے
خلاف امدادی فوج کو استعمال کیا جاسکے گا۔ لیکن ۱۹۵۳ء کے معاہدہ کی
دفعہ ۲ میں امدادی فوج کے استعمال پر پھر وہی قید لگا دی گئی جو ۱۹۹۸ء
کے معاہدہ کی دفعہ ۵ میں ۶۳ لاکھ کالک لینے سے پہلے لگائی گئی تھی۔
دفعہ ۳ کی رو سے کنٹیننٹ کے فرائض میں اس خدمت کو داخل کر دیا گیا جو
۱۹۸۷ء کے معاہدہ کی رو سے امدادی فوج کے فرائض میں شامل تھی۔

یہ ایک کھلی ہوئی فریب کاری تھی۔

(۳) کنٹینٹ کا خرچ جب تک نظام کے خزانہ سے وصول کیا جاتا رہا اسکی عددی قوت میں ایک آدمی کی کمی بھی گوارا نہ کی گئی۔ مگر جب اس کے مصارف کے لئے ملک مل گیا تو معاہدہ ہی میں یہ بات طے کر لی گئی کہ کنٹینٹ کی تعداد ۹ ہزار کے بجائے ۷ ہزار رہے گی۔

(۴) معاہدہ کے معاہدہ کی رو سے نظام کے ملک میں ان کی مدد کرنے کے لئے امدادی فوج ۹ ہزار کی تعداد میں رہنی چاہئے تھی۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ۲ میں طے کیا گیا کہ اس فوج کی صرف ۳۳ پلٹیں اور ایک رسالہ حدود ریاست میں رکھا جائے گا حالانکہ اٹھ پلٹیں اور ۴ رسالے رکھنے کے لئے معاہدہ میں ۶۳ لاکھ کا ملک لیا گیا تھا۔

(۵) کنٹینٹ کی تنخواہیں ادا کرنے اور ۵۰ لاکھ روپیہ (حالی) کا سو ۶ فیصدی کے حساب سے وصول کرنے کے لئے اس معاہدہ کی رو سے انگریزی حکومت نے صوبہ پر اردو آبہ راپچور اور شولاپور و احمد نگر کی جانب چند سرحدی اضلاع اپنے قبضہ میں لے لئے جن کی مجموعی آمدنی اس وقت ۵۰ لاکھ سالانہ تھی۔ پہلے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ دوامی انتظامی ملکیت کو نظام منظور کر لیں لیکن اسے نظام نے سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ پھر دوسرا مطالبہ یہ کیا گیا کہ تفویض دواچی ہو۔ مگر نظام کے ساتھ ہی حقوق اضلاع منسوخہ پر برقرار رہیں گے۔ نظام نے اس کو بھی منظور کیا اس کے بعد

یہ چال علی گئی کہ معاہدہ کے الفاظ کو مبہم رکھا گیا۔ نظام کو ریزٹرنٹ کے ذریعہ یقین دلایا گیا کہ تفویض محض عارضی ہے اور وہ جب چاہیں "ٹک کر ہن" کر سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو مطمئن کر دیا گیا کہ تفویض دوامی ہے اور برابر اب ہمیشہ کے لئے ہمارے قبضہ میں آ گیا ہے۔ معاہدہ کی دفعہ ۶ میں صرف یہ الفاظ لکھے گئے تھے۔

The Nizam hereby agrees to assign the Districts mentioned

(نظام اس تحریر کی رو سے مبنیہ ضلع کو تفویض کرنا قبول کرتے ہیں) لیکن کنرل لونے حضور نظام کو مطمئن کرنے کے لئے سرکاری طور پر (Formally) انہیں یقین دلایا تھا جیسا کہ وہ خود اپنے ۴ مئی ۱۸۵۷ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ "اگر ہزبائی ٹس چاہتے ہیں تو یہ ضلع صرف اس وقت تک کے لئے کنٹیننٹ کے مفارقات کے خاطر سپرد کئے جاسکتے ہیں جب تک ان کو کنٹیننٹ کی ضرورت رہے" ۱۱

۱۰۵ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جب نظام کو کنٹینٹ کی ضرورت نہ رہے تو وہ اسے موقوف کر کے اپنے اضلاع واپس لے سکتے ہیں۔ مگر یہی کنٹرول اپنے مذکورہ بالا اعلان کے صرف ڈیڑھ مہینہ بعد ۱۹ جون ۱۹۵۷ء کو کنٹینٹ آف انڈیا سے کہتا ہے کہ

”جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اضلاع مستقل طور پر ہمارے ہاتھ میں رہنے کے لئے ہیں۔“

خود لارڈ ڈلہوزی نے اپنی ۳۰ مئی ۱۹۵۳ء کی یادداشت میں لکھا ہے کہ:-
 ”نظام نے اول سے آخر تک ایسا رویہ ظاہر کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ملک کی دوامی تفویض سے قطعی اور شدید انکار کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہاں تک اضلاع کو اس ضرورت سے ہمارے پروردگار نے سے بھی انہوں نے کلیتہً نارضا مندی کا اظہار کیا کہ شاہی حقوق انہیں کو حاصل رہیں۔“

لیکن یہی لارڈ ڈلہوزی فروری ۱۹۵۷ء میں کہتا ہے کہ
 ”ایک معاہدہ کی رو سے جو ۱۹۵۷ء میں کیا گیا، ہر مائیکس نظام نے صوبہ برار اور اپنی ریاست کے دوسرے اضلاع کو آئریبل ایٹ انڈیا کی کمپنی کی حکومت میں دائمی طور پر تفویض کر دیا تاکہ حیدرآباد کنٹینٹ مستقل طور پر رکھی جائے۔“

اس سے گورنر جنرل اور رزروڈینٹ دونوں کی بددیہتی ظاہر ہے۔

یہ تھا اس درخت کا پھل جسے ۵۰ سال پہلے بویا گیا تھا۔ پہلے یار وفادار سے کہا گیا کہ ہم دشمنوں سے تمہارے ملک کی حفاظت کریں گے۔ اور اس حفاظت کے معاوضہ میں ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ کا ملک لیا گیا جو یار وفادار کے کل مقبوضات کا تیسرا حصہ تھا۔ اس کے بعد خود اپنی اغراض کیلئے ایک فوج رکھی گئی اور اس کا خرچ دوست سے مانگا گیا۔ غریب دوست اس کے لئے بھی ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ دیتا رہا۔ مگر جب اس کا خزانہ بالکل خالی ہو گیا اور اس میں اتنا خرچ دینے کی استطاعت نہ رہی تو اپنی فوج پر خود اپنے خزانہ سے روپیہ خرچ کیا گیا، اور اسے دوست کے حساب میں قرض کے طور پر لکھا جاتا رہا۔ جہاں تک دوست کے امکان میں تھا اس نے اس قرض کو بھی ادا کرنے کی کوشش کی مگر جب اس کے بدل میں ایک خون کا قطرہ بھی نہ رہا تو انہی دوستوں نے جو اس کے محافظ بنکر آئے تھے اس غریب کے گلے پر چھری رکھ کر اسی ملک کا ایک دوسرا زرخیز حصہ اس سے چھین لیا جسکی حفاظت کے لئے وہ اس سے پہلے ایک بڑا حصہ لے چکے تھے حفاظت کی تمام اقسام میں یہ سب سے زیادہ عجیب و غریب قسم ہے جس کی ایجاد پر جزیرہ انگلستان کے باشندے بجا فخر کر سکتے ہیں۔

۱۸۰۱ء کے معاہدہ کی رو سے انگریزی حکومت نے دولت آصفیہ کو اپنی حفاظت میں لیا تھا۔ ۱۸۱۵ء اور ۱۸۱۶ء کی لڑائیوں کے بعد جنوبی ہند میں کوئی طاقت ایسی نہ رہی تھی جس سے دولت آصفیہ کو کوئی خطرہ ہوتا۔ حدود و ریاست کی چاروں طرف اسی سلطنت برطانیہ کے علاقے پھیلے

۱۰۷
 ہوئے تھے جو ریاست کی محافظ تھی اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ
 ریاست کے حساب میں فوج کا خرچ سب سے کم ہوتا۔ لیکن دنیا یہ منکر حیران
 ہو گئی کہ انگریزوں کی محافظت میں آنے اور سب دشمنوں سے مطمئن ہو جانیکے
 بعد اس ریاست کا فوجی خرچ اتنا بڑھ گیا کہ اس وقت دنیا کی کسی سلطنت کا
 خرچ اتنا نہ تھا۔ سب سیڈیری فوج پر ۶۳ لاکھ کنٹینٹ پر ۴۲ لاکھ اور خود
 اپنی قومی فوج پر ۶۲ لاکھ یعنی کل ایک کروڑ ۶۹ لاکھ روپیہ سالانہ وہ حکومت
 خرچ کر رہی تھی جس کی کل آمدنی ۲ کروڑ سے زیادہ نہ تھی۔ دوسرے الفاظ
 میں کس روپیہ کی آمدنی رکھنے والا شخص اپنے چوکیدار کو ۹ روپے دیتا
 تھا اور خود اپنا گزر صرف ایک روپیہ میں کرتا تھا۔

۱۰۸
 جبکہ مغفرت منزل نواب ناصر الدولہ نے اس ریاست کا
 انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں لیا تھا تو ریاست کے مدخل و مخارج کی
 حالت یہ تھی۔

آمدنی بوضع اخراجات نظم و نسق..... ۱۲۲۴۹۵۴۵ (کلک)

خرچ خاندان شاہی و ملازمین باگشاہ..... ۲۸۰۱۰۲۶

کنٹینٹ اور ایڈمینیسٹری کی چوٹہ وغیرہ..... ۴۰۲۴۱۱۴

شاہی فوج..... ۶۴۱۳۸۵۲

منصب دار وغیرہ..... ۱۷۸۰۱۴۶

خرچ کل ۱۰۸
۱۵۰۱۹۱۱۹ -

خسارہ ۲۷۴۳۹۵۷۴

ایسی خراب مالی حالت میں ریاست کو سنبھالنا انسانوں کا نہیں
فرشتوں کا کام تھا۔ جس ریاست میں پہلے ۲۷ لاکھ کا سالانہ گھاٹا آ رہا ہو
اور باوجود اس کے اس پر ۳۸ لاکھ روپیہ سالانہ مستقل بار بھی ڈال دیا گیا
اس کا اس طرح مالی انتشار میں مبتلا ہونا بالکل ایک قدرتی بات تھی جیسا
کہ کرنل ڈیوڈسن نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا ہے۔

”حقیقتہً تعجب اس پر نہیں کہ یہ ریاست ۱۸۵۳ء میں ۳۳ لاکھ کی
”قرضدار“ کیوں تھی۔ بلکہ اس پر ہے کہ ۵۰ سال تک اس بڑی طرح
بٹنے اور تباہ ہونے کے باوجود وہ صرف ۳۳ لاکھ ہی کی قرض دار
کیوں رہی۔ اس کا بالکل دیوالہ کیوں نہ بھل گیا۔

غذیرین نظام دکن کی وفاداری

تفویض برار کے عہد نامہ پر دستخط ہونے کے پانچ روز بعد سراج الملک کا
انتقال ہو گیا کسی شاعر نے ان کا مودۃً تاریخ اس طرح نکالا ہے۔

ایں بکرو آخر شش سراج الملک

جلہ ملک برار داد و برقت

ان کے بعد ان کے جیتے نواب سالار جنگ بہادر مدار المہام بٹ
گئے اور راجہ نرندر بہادر (ابن راجہ دھراج بہادر ابن اوجہ چند ولال)

کو پیشکاری کا عہدہ دیا گیا۔ نواب ناصر الدولہ بہادر۔ غفران منزل
عہد نامہ تفویض برار پر دستخط کرتے کے بعد چار سال سے زیادہ زندہ نہ
رہ سکے اور اس کا بیٹا آخر ان کی جان ہی لیکر رہا۔ بیٹے کے عہد میں ان کا
انتقال ہوا اور ان کی جگہ نواب فضل الدولہ سند نشین ہوئے۔ جنہوں نے
غفران منزل کے انتظامات کو بحال رکھا۔

یہی زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں وہ جنگ آزادی برپا ہوئی جو
غلطی سے ”غدر“ کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اپنے ہاتھوں سب کچھ چلنے
کے بعد ہندوستانیوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب سب کچھ بگڑ چکا
تھا۔ تاہم یہ آخری سنبھالا بھی اتنے زور کا تھا کہ ایک دفعہ انگریزی
سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اس وقت بمبئی کے گورنر نے حیدرآباد
کے رزیڈنٹ کو مار دیا کہ:-

If The Nizam goes all is lost.

(نظام گئے تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا)

فرمانروائے دکن کی فوت اس گئی گذری حالت میں بھی اتنی زبرد
تھی کہ اگر وہ انگریزی سلطنت کے دشمنوں میں شامل ہو جاتے تو یہ سستے
داموں حاصل کی ہوئی سلطنت سستے داموں نکل جاتی اور اگر پھر
واپس ملتی بھی تو بہت جھنگے داموں ملتی۔ ایک انگریز مصنف نے
بالکل سچ لکھا ہے۔

”اگر نظام بگڑ بیٹھتے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا نتائج رونما ہوتے

۱۱۰
 ناگپور میں عین موقع پر جس سازش کا انکشاف ہوا تھا اس سے
 معلوم ہوا ہے کہ آس پاس کی ریاستیں بغاوت کے لئے کس قدر
 تیار بیٹھی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ٹرپلین کے مسلمان ملیار فضل پر
 دست درازی کے لئے صرف حیدرآباد کی طرف سے اشارہ کے
 منتظر بیٹھے تھے مجھے جس کسی نوجوان آدمی سے گفتگو کرنے کا اتفاق
 ہوا اس نے یہی کہا کہ اگر حیدرآباد اٹھ کھڑا ہوتا تو ہم کرنول، ناگپور
 بلاری، کڑپہ، بنگلور، مدراس، ترچنا پلی اور دوسرے شہروں میں
 بغاوت سے نہ بچ سکتے اور یہ بھی مشکل تھا کہ بمبئی جو مدراس ہی کی

طرح بے چین تھا۔ اس مرض متعدی کے اثر سے بچ رہتا۔
 لیکن ان تمام بیوفائیوں اور بدعہدیوں کے باوجود انگریزی حکومت
 نے نواب میر نظام علی خاں کے انتقال سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کی
 تحقیر اور اس ظلم عظیم کے باوجود جو چارہ ہی سال پہلے برار کے
 استحصال بالجبر کی صورت میں کیا گیا تھا۔ نظام انگریزی حکومت کی
 وفاداری پر ثابت قدم رہے۔ ان کی رعایا میں قومی و مذہبی جوش
 پورے زور کے ساتھ بھڑک چکا تھا۔ حیدرآباد کے مسلمان جہاد کے لئے
 بے چین تھے۔ نظام اور ان کے مدارالمہام پر مذہب و قومیت کی خاطر
 ہر قسم کی ترغیبات کا زور ڈالا جا رہا تھا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ
 اس نازک وقت میں یہ بات انگریزوں کی قدرت سے بالکل باہر تھی
 کہ نظام کو وفادار رہنے پر مجبور کر سکتے۔ لیکن نواب آصف جاہ نے

۱۱۱
 صرف یہی نہیں کہ اپنا وزن دشمنوں کے پلڑے میں ڈالنے سے احتراز
 کیا بلکہ اس سے بڑھکر انہوں نے اپنی پوری قوت انگریزوں کی امداد
 و اعانت میں صرف کردی اور انہی کی مدد سے سلطنت برطانیہ
 ہندوستان میں از سر نو مستحکم ہوئی۔

جس وقت عذر کی اطلاع حیدر آباد پہنچی تو تمام شہر میں ایک
 ہیجان پیدا ہو گیا۔ ۴۲ ہرجون کو خفیہ طور پر ایک اشتہار شایع ہوا جس میں
 مسلمانوں کو جنگ پر ابھارا گیا تھا۔ اس کے بعد مکہ مسجد میں ایک پرجوش
 جلسہ ہوا اور سیر علم بلند کر دیا گیا۔ قریب تھا کہ ہنگامہ برپا ہو جاتا مگر سالار جنگ
 نے شہر میں عربی فوج کے پہرے لگوادیئے اور تمام جوشیلے جماع کو
 بزور منتشر کرا دیا۔ تاہم غیظ و غضب کی آگ جو انگریزوں کے خلاف
 بجھک رہی تھی فرو نہ ہوئی اور آخر کار ۷۲ ہرجولائی کی صبح کو روہیلو پٹی
 ایک زبردست جماعت نے رزیدنسی پر حملہ کر ہی دیا جسے بڑی مشکل سے
 روکا گیا اور حملہ آوروں کے لیڈروں میں سے ایک (طرہ باز خاں
 جمعدار) کو گولی مار دی گئی۔ اور دوسرے (مولوی علاؤ الدین) کو
 کالے پانی بھج دیا گیا۔ اس وقت شہر میں تقریباً ۲۶ ہزار سپاہی
 سکھ، سندھی، حبشی، اور ترک وغل موجود تھے اور شہر کی ۳ لاکھ
 آبادی کا بھی ایک بڑا حصہ مصلح تھا۔ خود سرکاری فوج کی ہمدردیاں
 بھی ان لوگوں کے ساتھ تھیں جو انگریزوں کے اخراج کے لئے لڑنا
 چاہتے تھے ایسی حالت میں نواب افضل الدولہ اور سالار جنگ کیلئے

انگریزوں کی وفاداری پر قائم رہنا اور ان کی مدد کرنا جس قدر مشکل تھا ظاہر ہے، مگر ان تمام نازک حالات کے باوجود انہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ پہلے اپنی ریاست میں امن قائم کیا اور اس کے بعد اپنی فوج سے برٹش گورنمنٹ کی امداد کی جس کی بدولت وسط ہند میں انگریزی تسلط از سر نو قائم ہوا۔ جھانسی، بیچ، اور مہاراجہ کے معرکے سر ہوئے اور ان زیر دست طاقتوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو گیا جو ہندوستان کو سپید خطرے سے نجات دلانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس ہنگامہ میں نظام کی صرف مادی امداد ہی انگریزوں کے کام نہیں آئی بلکہ اخلاقی امداد نے بھی ان کو بہت کچھ سہارا دیا اور یہ اخلاقی امداد ایسی تھی جس کا اثر صوبہ سرحد کے دور و دراز علاقوں تک پہنچا ہوا تھا۔ سر سڈن کاٹن جو کوششہ اعر میں پشاور کی فوج کا کمانڈر تھا اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

”شمالی مغربی سرحد کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے متعدد مرتبہ

مجھ کو یقین دلایا کہ کسی نہ کسی دن ہماری حکومت کے خلاف

ایک عام بغاوت کھڑی ہو جائے گی۔ دہلی سے مغل اعظم کی

نسل مٹ جانے کے بعد وہ نظام کو اپنا بڑا سرور اور

اسلامی مقاصد کا سہارا سمجھتے ہیں“

۱۱۳
 حضور نظام کی ان عملی ہدایوں کے باوجود انگریزوں کو شک
 کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور انہیں ہر وقت یہ بدگمانی تھی کہ
 یہ سب کچھ خلوص کے ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن آخر میں خود ریڈ
 کرنل ڈیوڈسن کو اعتراف کرنا پڑا کہ ۲۔

”میں نے ایسے گوشوں اور ایسے طریقوں سے جن پریشانی سے
 کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ نظام کی شدید نگرانی کی ہے اگرچہ
 پیغامبران کے پاس آتے تھے لیکن ان کی داستانیں سننے
 کے بعد وہ ہر ایسی تحریک میں شریک ہونے سے انکار کر دیتے
 تھے، جو برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہوتی۔“ ۱۔

وفاداری کا صلہ

حضور نظام کی اس بیش قیمت امداد اور مخلصانہ وفاداری پر بانی
 تعریف و توصیف کے پھول تو بہت برسائے گئے۔ مگر دیکھنا یہ
 ہے کہ اسکی قدر دانی کا عملی ثبوت کیا دیا گیا؟ اس کے لئے ہم کو غدر
 کے بعد دونوں سلطنتوں کے معاملات پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔
 جولائی ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ کی جانب سے حضور نظام کو
 ۱۰ ہزار پونڈ کے اور سالار جنگ بہادر کو ۳۰ ہزار پونڈ کے تحائف

بھیجے گئے۔ مگر دستور قدیم کے مطابق اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت
نے ۱۵ ہزار پونڈ کے تخالف گورنر جنرل کو بھیجے جو اذروے قاعدہ
گورنمنٹ کے خزانہ میں داخل کر دیئے گئے۔ اس تجارت میں گورنمنٹ
نے کھونے سکے بجائے کچھ پا ہی لیا۔

عذر میں سرکار نظام کی فوج نے جو کارہائے نمایاں انجام
دیئے تھے۔ اور سلطنت برطانیہ کی حفاظت میں جو جاں نثاری
کی تھی اس پر ازراہ خوشنودی یہ انعام فرمایا گیا کہ جنگ میں
حصہ لینے والے سپاہیوں کے لئے پانچ پانچ روپیہ ہینہ کارآمد
مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اس ”فضول خرچی“ کا بوجھ سرکار انگریزی کے
خزانہ پر نہیں پڑا بلکہ خود سرکار نظام ہی کے خزانہ پر اکیسوا تک یہ
زائد خرچ برابر کی آمدنی سے وصول کیا گیا۔ اور اسے نظام کے
حساب میں محسوب کر لیا گیا۔

اس کے بعد اس گرانمایہ غرت و احترام کے فرید اطہار کیلئے
جو ”ملکہ معظمہ“ کے دل میں نہر ہائی لنس کے لئے موجود تھی شہنشاہ کے
آخر میں ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عذر
کی خدمات کا ”اجر“ تھا۔ اس معاہدہ میں ”یار وفادار“ پر جو انعام
فرمائے گئے ان کی حقیقت ذرا تشریح کی محتاج ہے۔

(۱) دفعہ دوم کی روسے برٹش گورنمنٹ نے شورا پور کا علاقہ
نظام کے کامل شاہی اختیارات میں دیدیا۔ اس علاقہ کی آمدنی سلا

۲۔ ہزار روپیہ سالانہ مقرر۔ پہلے یہ عطاۃ خود سرکار نظام کا تھا۔
 شہزادہ کے معاہدہ کی دفعہ ۱۱ میں بتصریح گدوال کے ساتھ شواہد
 کے زمیندار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور عہد کیا گیا ہے کہ اگر وہ سرکار
 نظام کے جائزہ مطالبات کو ادا کرنے میں قاصر رہے گا۔ یا بد امنی
 پھیلانے کا تو اس کے خلاف جمعیت تعلیمی (میڈیٹری فورس)
 کو استعمال کیا جائے گا۔ علاوہ اس سرکار نظام کو اس سے
 شکایت ہوئی کہ چند سال سے نہ اس نے پیش کش حاضر کیا اور نہ
 نذرانہ معاہدہ کے مطابق رزٹرنٹ سے استمداد کی گئی تو اس نے
 کمپن میڈوز ریلر کو تحقیقات کے لئے بھیجا اور آخر میں مطالبات
 کی تدریجی تفصیل کے لئے دونوں سرکاروں کے اتفاق سے
 اس کو "ایسٹیل ایجنٹ" مقرر کیا گیا۔ چند سال اس طرح گزرے تھے
 کہ شواہد کے نوجوان راجہ نے سرکار نظام کے خلاف بغاوت
 کر دی اور اس کی سرکوبی کے لئے جمعیت تعلیمی کی بجائے
 (جس کا معاہدہ یہ وعدہ کیا گیا تھا) کنٹیننٹ فورس کو بھیجا گیا۔
 از روئے عقل اور از روئے قانون یہ لازم تھا کہ اس راجہ کو
 از سر نو اسی حکومت کا مطیع بنایا جاتا جس کا وہ پہلے با حاکم ارتقا
 لیکر کیا یہ کہ نظام کی فوج سے نظام ہی کی رعیت ہے
 ایک باغی سرسردار کی سرکوبی کی گئی۔ اور پھر نظام کے بچے

۱۶ اس کا علاقہ انگریزی مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔
 یہی وہ صریح ظلم تھا جس کی تلافی ۱۸۶۷ء کے معاہدہ میں
 کی گئی اور یہ ایسی چیز تھی جس کو مشکل ہی سے صلہ و انعام کہا جاسکتا،
 (۲) کنیجٹ کے سلسلہ میں حضور نظام کے ذمہ جو ۵۰ لاکھ روپیہ
 (حالی) کا قرض ”واجب الادا“ تھا اس کو دفعہ سوم کی رو سے
 برٹش گورنمنٹ نے معاف کر دیا۔

اول تو یہ قرض فی الواقع کوئی قرض نہیں تھا۔ گذشتہ صفحات
 میں اس کی جو حقیقت بیان کی جا چکی ہے اسے پڑھنے کے بعد
 کوئی شخص نہ اسے قرض سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی معافی کو
 کسی انعام سے تعبیر کر سکتا ہے۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ
 یہ ”قرض“ ہی تھا تب بھی جس صورت میں اسے معاف کیا گیا
 وہ ایسی ہے کہ انگریزی حکومت بجائے نقصان کے فائدہ
 ہی میں رہی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸) میں یہ طے
 ہوا تھا کہ رزیڈنٹ نظام کے تفویض کردہ علاقوں کی آمدنی
 اور حنیج کا صحیح اور ٹھیک ٹھیک حساب سرکار نظام کے
 سامنے برابر پیش کرتا رہے گا اور دفعہ ۶ کے مطابق تمام
 اخراجات وضع کردہ کے جو کچھ نیچے گا۔ وہ سرکار نظام کے خزانہ

میں داخل کر دے گا۔ اس میں شک نہیں کہ معاہدہ میں یہ تصریح نہیں لگائی تھی کہ علاقہ مفوضہ کے نظم و نسق کے مصارف کیا ہونگے لیکن کرنل لونے سرکار نظام کو یقین دلایا تھا کہ ۲۲ فی روپیہ یعنی کل آمدنی کے ۱/۳ سے زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا کرنل یوڈن اپنے ۶ جولائی ۱۸۵۹ء کے مراسلہ میں صاف لکھتا ہے کہ :-

”مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جنرل لوسی بے نے سابق وزیر سرارج الملک اور موجودہ وزیر سالار جنگ کو یہ سمجھنے کا موقع دیا تھا کہ ہمارے انتظام کا خرچ ۲۲ فی روپیہ یعنی کل آمدنی کے ۱/۳ فی صدی سے زیادہ نہ ہوگا۔“

خود گورنر جنرل لارڈ کیننگ اپنے ۷ جولائی ۱۸۶۲ء کے مراسلہ میں تسلیم کرتا ہے۔

”جب معاہدہ پر دستخط کئے گئے تھے تو نظام کو یہ توقع تھی کہ ان اضلاع کے انتظام کا خرچ ۲۲ فی روپیہ یعنی ۱/۳ فی صدی سے زیادہ نہ ہوگا۔“

لیکن ان تصریحات کے باوجود علاقہ مفوضہ کی ۲۵ لاکھ سالانہ

آمدنی میں سے تقریباً لاکھ روپیہ سالانہ نظم و نسق پر خرچ کیا گیا جو آئرنہ اور حراتہ فی روپیہ کے قریب تھا اور دوسرے اخراجات ملا کر ضائع مقصودہ کی ساری آمدنی انگریزی حکومت نے خود ہی خرچ کر ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۷ء تک بچت کی ایک پائی بھی نہ مل سکا۔ نظام کے خزانہ میں دخل نہ کی گئی خود گورنر جنرل اور ریزیڈنٹ کو اپنی اس فوضی خرجی کا اعتراف تھا، کرنل ڈیوڈسن اپنے ۶ جولائی ۱۸۵۹ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ :-

”میں یہ توقع کرتا ہوں کہ غلہ کے اخراجات کی بھاری رقم اور بڑے انتظام کی فوضی خرجی پر وزیر (یعنی حیدر آباد کا مدارالامہ ہام) انفر کرے گا“ لہ

اسی اعتراض کے خوف سے سات سال تک ضائع مقصودہ کے حسابات سسرکار نظام کو نہیں دیئے گئے اور باوجود بار بار مطالبہ کرنے کے معاہدہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے پہلو تہی کی جاتی رہی جس کے متعلق لارڈ کیننگ کو اپنے ۶ جولائی ۱۸۵۷ء کے نوٹ میں اعتراف کرنا پڑا کہ :-

”از روئے معاہدہ ہم ان حسابات کو سال کے سال پیش کرنے پر مجبور تھے یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا۔“

اور لارڈ لارنس کو بھی ۱۳ فروری ۱۸۶۷ء کے ایک مراسلہ میں تسلیم کرنا پڑا کہ :-
 ”سالانہ حسابات پیش کرنے میں کوتاہی کرنا ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ
 (۸) کے صریح الفاظ سے انحراف تھا۔“

اس خلاف ورزی معاہدہ سے برٹش گورنمنٹ سات سال تک جو ناجائز
 فائدہ اٹھاتی رہی اور سرکار نظام کو اس کے تفویض کردہ علاقہ کے اس
 منافع میں سے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸) کی رو سے اس کو ملنا
 چاہئے تھا۔ محروم کر کے جو ظلم کرتی رہی اس کی تلافی کے لئے اس نے
 ۱۸۶۷ء میں یہ تہنویز پیش کی کہ اگر سرکار نظام برٹش گورنمنٹ سے
 مفوضہ اس بلاغ کا پیچھلا حساب نہ مانگے تو اس کے عوض وہ اس ۵۰ لاکھ
 روپیہ (حالی) کی رقم کو معاف کر دیگی۔ جو قرض کے طور پر سرکار نظام کے
 ذمہ واجب الادا ہے۔ ۶ جولائی ۱۸۶۷ء کے مراسلہ میں زیر بحث
 معاہدہ کی شرائط تجویز کرتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری نے
 کرنل ڈیوڈسن رزٹڈنٹ کو لکھا تھا کہ :-

”گورنر جنرل اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ گذشتہ سالوں میں جو زائد
 سول اخراجات ہوئے ہیں ان کو نظام کی طرف سے ۵۰ لاکھ روپیہ
 حالی کے قرض کی ادائیگی کے طور پر تسلیم کر لیں۔“

اور یہی نہیں بلکہ اس پچاس لاکھ کے قرض کی معافی کے معاوضہ میں گورنمنٹ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ آئندہ کے لئے بھی سرکار نظام اضلاع مفوضہ کے حسابات کا مطالبہ نہ کرے اور مصارف کی کمی و زیادتی کو برٹش گورنمنٹ کے اپنے اختیار تفری پر چھوڑ دے، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ (۴) میں بتصریح یہ طے کر لیا گیا کہ ہر بائیس نظام کی حکومت اضلاع مفوضہ کے سابقہ حال اور آئندہ کے حسابات کا مطالبہ ترک کر دیگی اور اگرچہ برٹش گورنمنٹ پر لازم ہوگا کہ اضلاع مفوضہ کی آمدنی میں سے مقررہ مصارف وضع کر کے بچت کی رقم سرکار نظام کے خزانہ میں داخل کرے۔ لیکن مصارف کے تعین کا اختیار کلیتہً برٹش گورنمنٹ کو ہوگا۔

اس شرط سے برٹش گورنمنٹ نے جو فائدہ اٹھایا اس کا حال آگے آتا ہے اسے پڑھکر ہر شخص معلوم کرے گا کہ ۵۰ لاکھ کے قرض کی معافی کے بدلے میں اس نے ۳۲ سال کے عرصہ میں اس سے وہ چند فائدہ اٹھالیا بس اسکو بھی کوئی ذی ہوش "انعام" سے تعبیر نہیں کر سکتا۔

(۳) دفعہ ۵ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے اضلاع مفوضہ میں سے دو آہ راٹھور اور وہ اضلاع جو کلکتہ ہی احمدنگر اور شولا پور سے متصل واقع ہیں سرکار نظام کو واپس کر دے اول تو یہ وہی اضلاع تھے جو ۱۸۵۳ء میں برہمتی سرکار نظام سے چھین لئے گئے تھے۔ دوسرے خود گورنر جنرل کے

اعتراف کے مطابق کینیڈا کی تنخواہوں کے لئے جتنے علاقہ کی ضرورت تھی اس کے لئے برابر پائین گھاٹ اور بالا گھاٹ بالکل کافی تھے اور یہ علاقے قطعاً زائد از ضرورت لئے گئے تھے۔ اس لئے ان علاقوں کو کینیڈا کی تنخواہوں کے نام سے اپنے قبضہ میں رکھنے کا گورنمنٹ کو کوئی حق نہ تھا اور انہیں واپس کرنے پر وہ مجبور تھے۔ لیکن اس خلاقی و قانونی فرض کو بھی اس نے بلامعاوضہ انجام دیا۔ اس نے اس کے بدلے میں متعدد قسم کے فائدے اٹھائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دفعہ ہفتم کی رو سے برابر کے وہ تعلقے حاصل کئے جو صرف خاص کے علاقہ میں تھے اور جن کی آمدنی ۵۸-۶۵۵ روپیہ سالانہ تھی۔
دفعہ ہشتم کی رو سے سرکار نظام کے وہ مقبوضات حاصل کر لئے جو دریا گوداوری اور پائین گنگا کے دوسری جانب تھے ان صنایع کی آمدنی ۵۷۷۷۵ روپیہ سالانہ تھی اور ان کے جنگلات کی لکڑی کی قیمت بھی ۵۰ لاکھ روپیہ سے کم نہ تھی۔ علاوہ ازیں اس علاقہ کے حاصل کرنے والا گریبا حکومت کو فوجی فوائد بھی حاصل ہوئے جنکو کیپٹن ہیگ
ڈسٹرکٹ انجینئر نے اپنے ۳۱ اگست ۱۸۶۷ء کے مراسلہ میں بیان کیا ہے۔
اس علاقہ کو حاصل کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ اس قدر بے چین تھی کہ سرکار نظام

لے دیکھ گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری کامرلہنور، جولائی ۱۸۶۷ء نمبر ۲۵۱ صفحہ خارجہ

لے۔ ٹائمر آف انڈیا موزہ ۲ اپریل ۱۸۶۷ء

حیدرآباد آفیز جلد ۲ صفحہ ۲۲۹

سرسالار جنگ کا مطالبہ استرداد برار

سرسالار جنگ مرحوم جو معاہدہ تفویض برار کے ایک ہی ہفتہ بعد اپنے چچا سراج الملک کی جگہ دارالمہام نہائے گئے تھے۔ اپنے خاندان کی پیشانی پر اس کو پڑا داغ سمجھتے تھے کہ اس کے ایک فرد کی وزارت میں ملک برار دولت آصفیہ کے قبضہ سے نکلا ہے ایک مرتبہ انہوں نے خود انگریزی رزیڈنٹ کرنل لومسڈن (Lumsden) سے کہا تھا کہ

”ان اضلاع کی تفویض کا واقعہ میرے چچا کی زندگی کے آخری لمحوں میں پیش آنے سے وائی ملک اور اہل ملک کی نظروں میں میرے خاندان کی رسوائی ہوئی ہے۔ اعلیٰ حضرت مغفرت مکاں نے بارہا مجھ سے فرمایا تھا کہ ان اضلاع کی واپسی کے لئے اپنا سارا زور صرف کرو اور میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے خاندان پر سے اس داغ کو دور کرنے میں کتنا ہی نہ کروں گا۔“

یہی خیال تھا جس کی بناء پر ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۱ء تک سات سال کی مدت میں انہوں نے کم از کم چھ مرتبہ واپسی برار کی درخواست کی۔ مگر یہ درخواست چونکہ محض درخواست تھی۔ اس میں مطالبہ کا زور نہ تھا اس لئے اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اور ۱۸۶۱ء میں مفوضہ علاقہ کا کچھ واپس کر کے اچھی اشکائی

کر دی گئی۔ لیکن سالار جنگ اس سے مطمئن ہونے والے نہ تھے وہ اس مطالبہ کے لئے ایک اچھے موقع کے منتظر تھے اور وہ موقع میسور کے واقعات نے ان کو ہم پہنچا دیا۔

۱۷۹۹ء کی جنگ میسور میں جب ٹیپو سلطان کی پوری مملکت فتح ہو گئی تو از روئے معاہدہ یہ ضروری تھا کہ ملک کو انگریزی حکومت اور سرکار نظام کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ لیکن ایچی سن کے بقول انگریزی حکومت نے اس خیال سے کہ نظام کی طاقت حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے میسور کے اس پرانے شاہی خاندان کو جسے حیدر علی نے بیدخل کر دیا تھا ڈھونڈ کر نکالا اور ۱۷۹۶-۱۷۹۷ء میں کا ملک وکیرتین برس کے ایک بچے کو اس کا راجہ بنا دیا۔ چونکہ یہ ریاست محض نظام کے ٹوڑ پیر قائم کی گئی تھی اس لئے انگریزی حکومت کی سیاست کا میلان اسی طرف رہا کہ جب کوئی بہانہ ملے تو اسے مٹا کر سارا ملک انگریزی مقبوضات سے ملحق کر لیا جائے چنانچہ ۱۸۳۱ء میں ہماراجہ کی فضول خرچی کے بہانہ سے اس میں مداخلت کی گئی اور ۱۸۳۲ء میں ساری ریاست انگریزی انتظام میں لے لی گئی ۱۸۶۱ء میں ہماراجہ میسور نے اپنے ملک کی سبجائی کا مطالبہ کیا مگر اسے رد کر دیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں اس نے پھر مطالبہ کیا اور اسے پھر جواب ملا کہ ہماراجہ نہ کسی حق کے طور پر ریاست کی سبجائی کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور نہ اسے سجال کرنا باشندگان ریاست کے مفاد کے لئے مفید ہو سکتا ہے ۱۸۶۴ء میں ہماراجہ نے ایک لڑکے کو متبجائی

بنانے کی اجازت مانگی تو اسے بھی روک دیا گیا اور ۶۷ء میں جب مہاراجہ نے ایک لڑکے کو گود لے لیا تو برٹش گورنمنٹ نے اس کارروائی کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

گورنمنٹ کے اس رویہ سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے ملک کو ملحق کر لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے اس لئے سالار جنگ نے اس موقع کو اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے موزوں خیال کیا اور ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۷ء سے سرکار راج پول (ریزیڈنٹ) کے نام ایک خط لکھا جس کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

(۱) ۱۸۶۷ء کے معاہدہ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے وعدہ کیا تھا کہ برار کی آمدنی میں سے جو کچھ مدد ہوگی اسے سرکار نظام کے حوالے کر دے گی لیکن معاہدہ کی تکمیل کو چھ سال گزرنے کے باوجود اس سرکار کو ایک پیسہ بھی جیت کا نہیں ملا اور نہ آئندہ ملنے کی امید ہے کیونکہ برار کی ۵۰ لاکھ آمدنی میں سے ۲۳ = لاکھ روپیہ صرف نظم و نسق میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔ سرکار نظام اس وقت روپے کی سخت ضرورت مند ہے اور وہ اس کا حق رکھتی ہے کہ کنٹیننٹ کی تنخواہوں کا دوسرا اطمینان بخش انتظام کر کے اپنے ان اہلکاروں کو واپس لے لے۔

(۲) برٹش گورنمنٹ نے میسور کے علاقہ کو ملحق کر لینے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے اس لئے سرکار نظام کو اس علاقہ میں سے اسی طرح حصہ لینا چاہئے جس طرح ۱۸۹۹ء کے معاہدہ تقسیم میسور میں ملا تھا اگر برٹش گورنمنٹ میسور کی نئی ریاست قائم نہ کرتی تو بلاشبک ریاست یہ ملک سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان تقسیم ہوتا۔ جس طرح اس وقت اس ریاست کا قیام سرکار نظام کی موافقت سے

۱۲۶
 ہوا تھا۔ اسی طرح اب اس کا سقوط بھی اگر ہو تو سرکار نظام کی موافقت ہی ہونا چاہئے۔
 (۳) سنہ ۱۸۵۷ء کے خفیہ معاہدہ کی دفعہ ۳ میں طے ہوا تھا کہ آئندہ جو علاقے
 دونوں حکومتوں کی متحدہ افواج کی قوت سے فتح ہوں گے وہ دونوں حکومتوں
 کے درمیان برابر تقسیم کئے جائیں گے۔ چنانچہ اسی دفعہ کے ماتحت سالانہ ۱۸۵۷ء
 اور ۱۸۵۸ء میں سرکار نظام کو پیشوا اور سندھیا کے مفتوحہ علاقوں میں سے حصہ
 دیا گیا تھا اور اب اسی معاہدہ کے مطابق کرنول اور گومسور کے علاقوں میں سے
 سرکار نظام کو کم از کم ۱۵۰۰۰ روپیہ سالانہ کا حصہ ملنا چاہئے کیونکہ ان
 علاقوں کی فتح میں اس سرکار کی فوج شامل تھی۔

(۴) سنہ ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی رو سے کرنول کا صرف پیش کش تقویض کیا گیا
 تھا کہ اصل علاقہ از روئے آئین ملک بدستور سرکار نظام کی ملک ہو اور اس کے
 حق ملکیت کو اس سرکار نے کبھی تقویض نہیں کیا اس لئے اسکی آمدنی ڈیشکیش
 کو وضع کر کے (اس سرکار کا حق ہے۔

ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے سرکار نظام کے حقوق حسب ذیل ہیں۔

کرنول کی مالگذاری بوضع پیش کش ۱۷۰۰۰۰
 گومسور کی مالگذاری میں سرکار نظام کا حصہ ۱۵۰۰۰۰
 میسور کی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا نصف ۳۱۵۰۰۰۰

۶۰۰۰۰۰۰۰ جملہ

چونکہ ابھی ریاست میسور کے انقرضی کا مسئلہ طے نہیں ہوا ہے۔ اس لئے
 فی الحال اسے چھوڑ کر اول الذکر علاقوں کا ۱۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ منجبت

کے مصارف کے لئے قبول کیا جائے اور بقیہ ۸۵۰۰۰ روپیہ کسے لئے ملک میسور کا تصفیہ ہونے تک ہم قابل اطمینان ضمانت فراہم کر دیں گے اس انتظام کے بعد ملک پر اس سرکار نظام کو واپس دیدیا جائے۔
اس مسئلہ کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ برار کی آمدنی میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ روپے سال کے ختم ہونے سے پہلے سرکار نظام کو دینے کے احکام جاری ہو گئے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۷ء میں ہمارا جہ میسور کے گود لئے ہوئے لڑکے کو ان کا وارث تسلیم کر لیا گیا اور ہمارا جہ کے مرنے کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۸۶۸ء کو اس لڑکے کی گدی نشینی کی رسم بھی ادا کر دی گئی۔

دوسری طرف سر سالار جنگ کے اس خلاف توقع مطالبہ سے برطانیہ حلقوں میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۱۴ نومبر ۱۸۶۶ء کو ریزولوشن نے ایک طویل نوٹ کے ساتھ سالار جنگ کا خط کو ریزولوشن آف انڈیا کے پاس بھیجا اور اس میں بڑی کاوش سے ان کے دلائل کی تردید کی اس کے جواب میں ۱۳ فروری ۱۸۶۷ء کو ریزولوشن آف انڈیا کے سکریٹری مشرواٹلی نے حیدرآباد کے ریزولوشن کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس کے ابتدائی فقروں میں یہ فقرہ خصوصیت کے ساتھ ان جذبات غریظ و غضب کو ظاہر کرتا ہے جو مال مضروبہ کی باز طلبی پر غاصبوں کی عجات میں ہمیشہ پیدا ہو جایا کرتا ہے اس میں لکھا تھا کہ

”والسٹر نے تسلیم نہیں کر سکتے کہ حکومت حیدرآباد کے موجودہ و عادی

صحیح اور مبنی برالضاف ہیں۔ کونسل میں ان پر اسی قدر گہرا اور متفکرانہ غور و خوض کیا گیا جس قدر مسئلہ کی اہمیت اور اس سے زیادہ خود تہرمانی کس کی آزمودہ وفاداری متقاضی تھی مگر نہ کسٹنس نے اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پایا کہ یہ دعویٰ کلیتہً بے بنیاد ہیں اور صحت و درستی کا شائبہ بھی ان کی تائید میں موجود نہیں ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے یہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ کسی ایسی ریاست کی درخواست پر سخت الفاظ میں کلام کرے۔ مگر سرالار جنگ کے خط میں فضول اور ادعا کی جو روح بھری ہوئی ہے جو ان کے شاہی آقا کے مرتبے اور خود انکی شان و کبریاؤں کے خلاف ہے وہ گورنر جنرل کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا ہے دیتی کہ وہ آئندہ کیلئے یہ درخواست کریں کہ دربار حیدر آباد کی خط و کتابت اس سے زیادہ سنجیدگی اور ہمتندی کے ساتھ ہونی چاہئے۔

فی الواقع یہ تہنیت تھی بھی معقول، کیونکہ حق طلب کرنا معاہدات کی پابندی پر زور دینا اور برسوں کے کھائے ہوئے مال کو اگلوانے کی کوشش کرنا سب کے سب نہایت غیر سنجیدہ اور غیر ہمتندانہ افعال ہیں اور ان کا ارتکاب اگر نہ کر کے سوا کوئی اور کرے تو وہ اسکی شان و کبریاؤں کے قدر و منزلت اور مدبرانہ شان و دونوں کے عین منافی ہے کیونکہ دوسروں کے لئے تو یہی سزاوارتہ ہے کہ اپنا مال دین اور بچھڑا کر نہ مانگیں۔

۶۱۸۶

ایک طرف سالار جنگ کو یہ جواب دیا گیا دوسری طرف ۴ افروری

کو سکریٹری آف اسٹیٹ لارڈ کریمپورن کے نام

سالانہ جنگ کا خط ایک طویل نوٹ کے ساتھ بھیجا گیا اور انہیں لکھا گیا کہ

”ہم پوری احتیاط کے ساتھ تحقیقات کر کے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

بیان کردہ قرضوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور چنانچہ وہ سمجھوتہ جسکی

روسے برٹش گورنمنٹ نے زیر بحث مصارف کی ذمہ داری قبول کی ہے

اسکی روح ہی یہ ہے کہ ہمارے پاس ان مطالبات کو پورا کرنے کے لئے

ایک ایسا مستقل ذریعہ آمدنی ہونا چاہئے جو اس کے لئے کافی ہو اس لئے

ہم نے دربار کو مطلع کر دیا ہے کہ ہم موجودہ تقویض برائیں کسی ترمیم کے

فتح یاب کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔“

اس کے جواب میں ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء کو لارڈ اسٹیفورڈنا تجویز کر

سکریٹری آف اسٹیٹ نے لکھا کہ

”میں اس باب میں آپ کی رائے سے پورا اتفاق رکھتا ہوں کہ اس

قرض کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جس کے متعلق دربار حیدر آباد نے

بیان کیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ کے ذمہ نہ رہائی نس نظام کی طرف

واجب الادا ہے اور جس کو نہ رہائی نس نے اپنی موجودہ درخواست کی

بنیاد قرار دیا ہے۔“ اب رہا وہ دعویٰ جو متوقع ان قرض راسیت میں

برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مساویانہ حصہ لینے کے متعلق نظام نے پیش کیا ہے تو

برٹش گورنمنٹ تسلیم ہی نہیں کرتی کہ علاقہ میں نظام کچھ حقوق تسلیم لاسمعا

کہتے ہیں ہم سرت یہ کہ دنیا کافی ہے کہ سرسالا رجب کے پیش کردہ دعاوی ایسے مفروضات و قیاسات پر قائم کئے گئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں اس لئے ان پر بحث کرنا بالکل غیر ضروری ہے

اس طرح یہ معاملہ ہمیں ختم کر دیا گیا۔ ڈیڑھ سال بعد نواب مغفرت مکاں فضل الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا۔ فروری ۱۸۷۱ء میں نواب میر محبوب علی خان بہادر تین سال کی عمر میں ارث تخت و تاج ہوئے سرسالا رجب ان کے ایام نابالغی میں تخت ریاست بنائے گئے اور نواب شمس الامراء امیر کبیر کو شریک تخت بنا دیا گیا، شمس الامراء اور سالا رجب کے خاندان میں پرانی مخالفت تھی۔ لیکن دونوں ریاست کے خیر خواہ تھے اس لئے جہاں تک ریاست کے مفاد کا تعلق تھا دونوں ایک متفقہ پالیسی پر کاربند رہے اور استرداد برار کی طرف دونوں نے اپنی پوری توجہ صرف کی۔

۴۱ فروری ۱۸۷۱ء کے مراسلہ میں گورنمنٹ آف انڈیا نے تقویض برار کے معاہدہ میں ترمیم پیش کا دورہ وارہ کھولنے سے صرف اس بناء پر انکار کیا تھا کہ گورنمنٹ کو کنٹینٹ کی تنخواہوں کے لئے ایک مستقل ذریعہ آمدنی کی ضرورت تھی اس لئے سرسالا رجب نے ایک مستقل ذریعہ آمدنی "جہا کرنے ہی کی طرف ساری توجہ منحطف کر دی اور آخر کار اپنی اعلیٰ قابلیت سے انہوں نے ہر کرور روپیہ کا انتظام کر کے ۱۹ ستمبر ۱۸۷۱ء کو دوبارہ مسئلہ برار کا افتتاح کیا اور گورنمنٹ کو لکھا کہ ہم کنٹینٹ کے مصارف کے لئے ۸ ملین پونڈ کی نقد رقم جمع کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ مستقل ذریعہ آمدنی "گورنمنٹ کے ہاتھ آجاتا ہے جسکی خاطر ملک براہ سہ کا نظام سے لیا گیا ہے۔ اگر کوئی نیک نیت حکومت ہوتی تو یقیناً اس تجویز کو منظور کر لیتی۔ کیونکہ ۸ ملین پونڈ کا صرف سود ہی کنٹینٹ سالانہ مصارف

۳۱ اسکنڈینٹ نہ تھی بلکہ برابر تھا۔ اس لئے
۲۲ مئی ۱۸۵۳ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری نے رزولوشن کی صورت
یہ مختصر سا جواب دیدیا کہ ”اول تو ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۶ء کے معاہدوں کو قائم رکھنا
یا بدل دینا تنہا حکومت حیدرآباد کے اختیارات میں نہیں ہے بلکہ اس کے لئے
دونوں حکومتوں کی رضامندی درکار ہے“ دوسرے مذکورہ بالا دونوں
معاہدوں کا بنیادی اصول یہ تھا کہ ”کنٹینٹ کے مصارف کے لئے ارضی ضمت
(ٹریٹیو ریل گارنٹی) ہمایا کی جائے“ چھ سال پہلے تک
انہی معاہدوں کی روح صرف یہ تھی کہ ”مستقل ذریعہ آمدنی“۔ ٹریٹیو ریل گارنٹی
کے ماتحت میں ہو مگر جب ”وہ مستقل ذریعہ آمدنی“ ماتحت میں دینے کا بندوبست
ہو گیا تو اب ان ہی معاہدوں کا بنیادی اصول یہ مقرر ہوا کہ ”ارضی
ضمانت“ ہمایا کی جائے ان حیلوں اور بہانوں کا مطلب اس کے سوا اور کیا
ہو سکتا تھا کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۶ء کے معاہدوں کا بنیادی اصول محض ملک برائے
پرانگریزی تسلط تھا اور کنٹینٹ کی حیثیت ستھاری کے جال کے سوا کچھ نہ تھی
حکومت کے اس رویہ پر خود انڈین کونسل کے بعض ممتاز ارکان نے سختی کے ساتھ
نکتہ چینی کی اور سر جان کے (Sir John Kaye) نے تو
یہاں تک لکھ دیا کہ جو طرز عمل گورنمنٹ اختیار کر رہی ہے اس نے ہندوستان
کی تمام ٹریڈی ریاستوں کو یقین دلایا ہے کہ جو پالیسی ہم نے اپنی
کمزوری کے زمانہ میں اختیار کی تھی اسے اب ہم اپنی طاقتوری کے زمانہ
میں بدل رہے ہیں اور آخر میں اس نے لکھا تھا کہ :-

اس روش میں سلطنت کے لئے شدید خطرات مضر ہیں جن کو میں اپنے

بیس سال کے تجربہ کی بناء پر نمایاں دیکھتا ہوں^۱

لیکن یہ سب تشبیہیں بیکار تھیں حکومت برطانیہ کے اربابِ حل و عقد کی
نگاہ میں ملک برار کی قیمت ان اصلاح کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔

حکومت ہند کے اس انکاری جواب پر ۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو سالانہ جنگ

اور شمس الامراء نے رزولوشن کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے حکومت کے

جواب پر انظارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگرچہ سرکارِ نظام کسی جائز

معادہ کی بناء پر کنٹریبٹ رکھنے کی پابند نہیں ہے۔ تاہم وہ برٹش گورنمنٹ

کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تیار ہے اور صرف یہ چاہتی ہے کہ

برٹش گورنمنٹ باہمی اتفاق کے ساتھ اس امر پر غور کرے کہ ”اجنی ضما“

کے بجائے نقد مالی ضمانت کے قبول کرنے میں کیا قباحت ہے۔

اس امر کے کوکلتہ کے دفترِ سیاسیات نے اس طرح نذرِ تعافل کر دیا

جیسے کہ وہ وصول ہی نہیں ہوا اور ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو لارڈ سائبریا

(وزیر ہند) سے یہ مختصر سا فیصلہ حاصل کر لیا کہ اضلاع کی مدتِ انفیض کو متعین

کرنا تھا حکومت حیدرآباد کے اختیار میں نہیں ہے اور ۱۷ اگست ۱۹۱۷ء کے معاہدہ

کا اعلیٰ مقصد اجنی ضمانت حاصل کرنا تھا وزیر ہند کا فیصلہ ۱۲ مئی ۱۹۱۷ء

کو حکومت حیدرآباد کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس کے جواب میں ۶ جولائی ۱۹۱۷ء کو سالانہ جنگ اور شمس الامراء

۱۳۳۳
 ایک اور طویل مراسلہ بھیجا جو ۱۲۲ پیر اگر فائنل میں تھا اور اس میں انہوں نے
 کنٹینٹ کی حقیقت، اس کے قرض کی اصلیت، اور سٹاکس کے معاہدہ
 کی غیر قانونی نوعیت کو واضح کرنے کے بعد گورنمنٹ کو صاف طور پر مطلع
 کر دیا کہ محض برٹش گورنمنٹ کو خوش رکھنے کے لئے ہم اس کنٹینٹ کو
 برقرار رکھتے ہیں۔ اور اس کے مصارف کے لئے یہ ملین پونڈ کی
 رقم خلیہ پیش کر رہے تھے۔ لیکن اگر ہمارے اس فیاضانہ پیشکش کو روکیا
 جاتا ہے تو ہمارے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ کرنل لو کے اس معاہدہ پر
 اپنے مطالبات کو قائم کریں جو سٹاکس کے معاہدہ کے وقت انہوں نے حکومت
 ہند کی جانب سے کیا تھا کہ تقویٰ میں صرف اس وقت تک کے لئے سب سے زیادہ
 سرکار نظام کو کنٹینٹ کی ضرورت تھی، "لہذا اب ہم کہتے ہیں کہ کنٹینٹ کی
 ضرورت نہیں ہے، آپ اسے برطرف کیجئے اور ہمارا ملک ہمیں واپس دیکھئے۔
 یہ برٹش گورنمنٹ کے غاصبانہ حیلوں کا اصلی جواب تھا۔ اور اس
 جواب کو صبر و سکون کے ساتھ سننا گورنمنٹ کی قوت ضبط سے باہر تھا۔
 کلکتہ کے صنیعہ خارجیہ نے اس امر کو دبا کر رکھ لیا وزیر ہند کو اس کی
 خبر تک نہیں کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ ایک آخری جواب دیکر
 اس معاملہ کو ختم کر دیں۔ چنانچہ حکومت ہند کی درخواست پر لاڈلہ سنگھ
 نے ۷ ابرجولائی ۱۹۴۷ء کو سرسالا رتھک کے مطالبات کا یہ قطعی جواب
 دیدیا کہ نہ ملک برادر واپس کیا جائے گا اور نہ کنٹینٹ سٹاکس کے لئے مالی

۱۳۴
ضمانت قبول کی جائے گی۔ یہ جواب سر سالار جنگ کے ۶ جولائی والے خط کے بعد اس کے علم کے بغیر لکھا گیا تھا اور اس کے جواب میں بالکل بے معنی تھا، لیکن رزٹینٹ نے اس راز کو چھپانے کے لئے کہ ”یہ فطعی فیصلہ“ ۶ جولائی والے خط کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہے۔ اسے ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ تک دبائے رکھا، اور ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو امرائے حیدر آباد کی ایک دعوت کر کے اس میں سر سالار جنگ اور شمس الامراء کو زبانی اس فیصلہ کا خلاصہ سنایا اور صاف الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اس فیصلہ کے بعد اب میں مسئلہ پر ارکے متعلق کوئی خط حکومت ہند کو بھیجنے کے لئے وصول نہیں کروں گا۔ سالار جنگ نے لارڈ سائبریا کے مراسلہ کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کی خواہش کی مگر رزٹینٹ نے انکار کر دیا۔ دوسرے دن سالار جنگ نے سرکاری طور پر وزیر ہند کے مراسلہ کی نقل طلب کی مگر اس کا بھی وہی جواب تھا جو زبانی درخواست کا دیا جا چکا تھا۔ اس پر سر سالار جنگ نے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک پُر زور خط رزٹینٹ کے نام لکھا جس میں انہوں نے صاف لکھ دیا کہ

”اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ سرے سے یہ بحث ہی کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے۔
ہمارے دعاوی صحیح ہیں یا غلط اور انہی صحت عدم صحت کا امتحان کیے بغیر
ان کو زیر ہستی دبا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔... سکرٹری آف شہید کیا

فیصلہ جسکو آخری فیصلہ کہا جا رہا ہے اس سے پہلے دعاوی اور دلائل کو دیکھیں
 بغیر صادر کیا گیا ہے اور دراصل وہ ہمارے اس خط کا جواب ہے جو امر جولاٹی
 والے خط سے پہلے بھیجا گیا تھا۔

رزٹرنٹ نے سر سالار جنگ کے اس خط کو حکومت سندھ کے پاس بھیجے
 سے انکار کر دیا اور ۲ مارکتوبر کو اسے ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا کہ ”والسسر“
 کی واضح ہدایات یہ ہیں کہ اب میں اس مسئلہ کے متعلق انہیں کوئی امر سہلہ نہ
 بھیجوں۔ سر سالار جنگ نے ۵ مارکتوبر کو پھر وہی خط رزٹرنٹ کے پاس
 بھیجا اور اسے لکھا کہ اس ریاست کی طرف سے جو فرائض مجھ پر اور میرے
 رفیق کار پر عائد ہوتے ہیں وہ ایک ایسے فیصلہ کو ”آخری فیصلہ“ تسلیم کر سکتی
 اجازت نہیں دیتے جو ہمارے دعاوی کے حسن و قبح کو جانچنے بغیر ملکہ نفس
 دعاوی کو دیکھنے بغیر صادر کیا گیا ہو۔ دوسرے دن رزٹرنٹ نے اس مسئلہ کو
 ایک نہایت خشنماک خط کے ساتھ سر سالار جنگ کے پاس واپس بھیج دیا جس میں
 لکھا تھا کہ :-

”اس طرح کا سہم اصرار پرلیمنٹ اور شول تعلقات میں بھی ایک لمحہ کیلئے
 برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور سرکاری معاملات میں اس سے کوئی اچھا
 نتیجہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا اس کا راست نتیجہ یہ ہوگا کہ ان عہدہ تعلقات پر
 برا اثر پڑے گا جو نظام کی نابالغی کے زمانہ میں حکومت سندھ آپ سے اور
 امیر کبیر سے برقرار رکھنا چاہتی ہے۔“

ایک طرف اس طریقہ سے سر سالار جنگ کا منہ بند کیا گیا اور دوسری طرف انگریزی حکومت نے اپنے اس قدیمی دوست کے اثر کو کم کرنے کے لئے سازش شروع کر دی سر سالار جنگ کو برطانی حکومت کا وفادار دوست اس بناء پر سمجھا جاتا تھا کہ ان سے برطانی حکومت کو یہ امید تھی کہ وہ اپنے ملک اور اپنے آقا کی سلطنت سے غداری کرینگے مگر جب انہوں نے ایک نمک حلال خادم دولت کی حیثیت سے اپنے آقا کے جائز حقوق طلب کرنے شروع کئے تو وہی سالار جنگ سلطنت برطانیہ کے دشمن ہو گئے اور انگریزی حکومت نے ان کو اس طرح حیدر آباد کی حکومت سے نکال دیا چاہا جس طرح انگلیس سے پھانس نکال دی جاتی ہے اس غرض کے لئے انگریزی رزروٹینٹسٹرنٹس نے رزروٹینٹس میں امراءے حیدر آباد کو کھانے کی دعوت دی اس میں ان لوگوں کو خاص طور پر بلایا جو سالار جنگ کے سخت مخالف تھے اور ان سے درخواست کی کہ وہ سالار جنگ اور شمس الامراء کو ان کی "نازیبا" حرکات سے باز رکھیں لیکن اس ریشہ دوانی میں سٹرنٹسٹرنٹس کو ناکامی ہوئی اور تقریباً تمام اکابر دولت نے اس کو یقین دلادیا کہ ہمارے مسئلہ میں ہر مختار الملک اور ان کے رفیق کے موید ہیں۔ یہی واقعہ ہے جس کی طرف سالار جنگ نے اپنے ۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء والے خط میں اشارہ کیا ہے کہ

”ہم یہ گمان بھی نہیں کر سکتے کہ اس ریاست کا کوئی وفادار خادم جو ہماری طرح اس عوے کی قوت و صداقت کو محسوس کر چکا ہو۔ اور ہماری ہی ذمہ داری کا حامل ہو اعلیٰ حضرت کے متعلق اپنے فرائض کا احساس

رکھنے کے باوجود ہمیں یہ مشورہ دے گا کہ اس عرصے سے دست بردار
ہونا چاہئے۔

سالار جنگ کو رزٹرنٹ کے رویہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ انگریزی حکومت
ان سے سخت ناراض ہے مگر انہوں نے اس ناراضی کی ذرہ برابر پروا نہیں
کی اور اپنے دعوے کو آگے بڑھانے کے لئے یہ غیر معمولی طریق کار اختیار کیا کہ
۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو براہ راست وزیر منہد کے پاس اپنے کاغذات بھیج دیے
اور انہیں اس سے بھی مطلع کر دیا کہ رزٹرنٹ اور حکومت منہد کے کس غیر متعلق
طرز عمل نے ان کو یہ غیر معمولی طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لارڈ سائبرگ
کم از کم اتنے بدلتیر نہ تھے کہ مٹر سائڈز کی طرح ایک مقتدر ریاست کے
وزیر اعظم کے منہ پر ان کاغذات کو کھینچ مارتے۔ انہوں نے معاملہ کی بڑا
کو سمجھ کر کاغذات رکھ لئے اور حکومت منہد کو ہدایت کی کہ وہ سالار جنگ کے
دلائل کا جواب دے اور خصوصیت کے ساتھ اس استدلال کا جواب دے کہ
”صریح مواعید کی بنیاد پر کنٹینٹ کا برقرار رکھنا یا اسے برطرف کر دینا نظام
کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ لیکن حکومت منہد کے پاس دلائل کا کچھ جواب
نہ تھا۔ وہ غیر متعلق کاغذات بھیج بھیج کر وزیر منہد کا وقت ضائع کرتی
رہی اور اصل بنیادی شکات کا جواب دینے سے احتراز کرتی رہی یہاں تک
کہ پورا ایک سال گزر گیا اور سالار جنگ کو وزیر منہد کی طرف سے کوئی جواب
آخر کار سالار جنگ نے اس قضیہ کو طے کرنے کے لئے انگلستان جانے کا

زم کر لیا اور ۱۸۷۷ء میں وہ ملک کا انتظام اپنے رفیق کے سپرد کر کے خود یورپ روانہ ہو گئے۔ حکومت ہند کے لئے یہ ایک مشکل صورت حال تھی سالانہ جنگ کو سفر سے روکنا اس کے اختیار میں نہ تھا اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ وزیر ہند کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کر کے اس معاملہ کو طے کر لیں اس لئے اس نے اس مشکل کا یہ حل تلاش کیا کہ سفر انگلستان میں سالانہ جنگ وزیر ہند سے برابر کے متعلق کوئی گفت و شنید نہ کریں۔ اور اس کے عوض رسمی امرت کے دروازہ کو کھول دیا جائے جو ۱۸۷۷ء میں رزولوشن نے بند کر دیا تھا۔ چنانچہ اس سمجھوتہ کو قبول کر کے سالانہ جنگ نے انگلستان میں برابر کے متعلق کوئی گفت و شنید نہیں کی اور واپس آ کر دسمبر ۱۸۷۷ء میں اپنے دعاوی اور دلائل کے متعلق ایک مفصل بیان رزولوشن کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسے حکومت ہند کے پاس بھیج دے۔ لیکن رزولوشن نے حسب سابق اس مہموریل کو وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

جنوری ۱۸۷۷ء کے درمیان جب سالانہ جنگ نواب میر محبوب علی خاں مرحوم کو لیکر واپس گئے تو کلکتہ کے صنیعہ خارجیہ سے حکم آیا کہ جب تک سالانہ جنگ اور شخص الامراء دونوں اس مضمون کے اقرار نامہ پر دستخط نہ کریں کہ وہ حکومت آصفیہ پر دولت برطانیہ کی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں اس وقت تک ربار حیدر آباد کو شاہی اجتماع میں شامل نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی

۱۷ سالانہ جنگ نے صیادت کی بنا پر دعویٰ کیا تھا کہ دولت آصفیہ ایک آزاد و خود مختار ریاست ہے جس پر سلطنت برطانیہ کو حقوق سیادت حاصل نہیں ہیں بلکہ دونوں سلطنتوں کے تعلقات مساوی و متساوی اتحاد پر مبنی ہیں سالانہ جنگ نے دونوں کے تعلقات میں یہ ایلی قانون کے لحاظ پر بھی زیادہ زور دیا تھا

ان سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ دو تین کے مابین زامی امور میں زیر بند کے فیصلہ کو قطعی و آخری فیصلہ تسلیم کریں۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے سالار خٹک نے ان دونوں شرطوں کو منظور کر لیا تب جا کر انہیں ربار میں شرکت کی اجازت دی گئی اور ان کے اس میموریل کو قبول کیا گیا۔ جسے ڈسمبر میں واپس کر دیا گیا۔

اس کے چند مہینے بعد اپریل ۱۹۴۷ء میں شمس الامراء امیر کبیر کا انتقال ہو گیا۔ اور سالار خٹک کا زور توڑنے کے لئے انگریزی حکومت کو وہ موقع مل گیا جسکی وہ منتظر تھی۔ سالار خٹک کی خواہش تھی کہ ایجنسی تنہا ان کے ساتھ مخصوص ہے اور سلطنت کے چاروں محین المہاموں کی ایک کنکریٹو کونسل بنادی جائے لیکن رزولوشن سررچرڈ میڈ

اور وائسرائے لارڈ لٹن کے درمیان کچھ اور ساز باز ہو رہا تھا۔ کئی مہینے تک مواد تیار ہوتا رہا اور آخر ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء کو سررچرڈ میڈ نے سالار خٹک کو اطلاع دی کہ وائسرائے نے نواب قارا الامراء کو شریک مختار بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سالار خٹک اور قارا الامراء میں شدید ذاتی عداوت تھی اور وہ ان سے ملکر کام نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس فیصلہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اس پر سررچرڈ میڈ سیدھے وائسرائے کے پاس پہنچے اور وہاں سے واپس آکر انہوں نے ایک نیم سرکاری ذریعے سالار خٹک کو مطلع کیا کہ وائسرائے سے پوری اجازت لے لی گئی ہے اب اگر آپ نے ان کے آخری و قطعی فیصلہ کو قبول نہ کیا تو آپ کو

گرفتار کر کے ایک اسپیشل ٹرین کے ذریعہ مدرسہ بھیج دیا جائے گا۔ اس دھمکی کے بعد مزید متفاوتت کرنا سالار جنگ کے لئے ناممکن تھا۔ مجبوراً انہوں نے ”فیصلہ“ کے آگے سر جھکا دیا اور ۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو وقار لامل کو شریک مختار بنا دیا گیا۔

یہ وہی سالار جنگ تھے جن کے متعلق ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء کے مراسلہ میں لارڈ اسٹین نے بحیثیت وزیر ہند یہ حکم دیا تھا کہ ان کا نام خدر کے وفاداروں کی فہرست میں سب سے اوپر رکھا جائے اور یہ وہی سالار جنگ تھے جن کے متعلق ۲۹ مارچ ۱۸۵۷ء کے ایک مراسلہ میں حیدر آباد کے ریڈنٹ کرنل ڈیوڈسن نے لکھا تھا کہ:-

”نظام کے وزیر نے جس بے دریغ مسعودی اور مگرری کے رفا حکومت انگلیشیہ کی اعانت کی ہے وہ تعریف تو صیف سے بالاتر ہے۔۔۔۔۔۔ ہر خطہ کے وقت میں ہماری علانیہ امداد کا ہتھیہ کر لینے سے وہ مسلمانوں میں سخت غیر مرغوب بلکہ قریب قریب خارج از ملت سے ہو گئے تھے۔ مگر نہ کسی قسم کی لامتنیں اور دھمکیاں اور نہ التجائیں اور استدعائیں ان کو اس سچی وفاداری کے راستہ سے ہٹا سکیں جو انہوں نے اول دن سے اختیار کیا تھا۔ بیسیوں مرتبہ ان کے قتل کی سازشیں کی گئیں اور مجھے یقین ہے کہ خود ان کو ان سازشوں کا علم تھا مگر نہ تو جان کا خوف ان کو اپنی جگہ سے ہٹا سکا اور نہ ان اطلاعات

انہیں متزلزل کیا جو شمال مغرب سے ہماری ٹکستوں کے متعلق سچم سچول
 ہو رہی تھیں جب کبھی میں نے ان سے مدد طلب کی تو انہوں نے اسی
 استقلال اور یکدلی کے ساتھ انکو پورا کیا اور حکومت نے نظام کے مسئلہ
 جہاں تک ان کے اختیار میں تھے امیر کے لئے وقف ہے۔

اس مفاداروں کے وفادار اور سرگرم مددگار کو آج گرفتاری اور جلاوطنی
 کی دھمکی دی جا رہی تھی اس پر لازم لگایا جا رہا تھا کہ وہ وہابیوں کی سازش
 میں شریک ہے۔ افغانستان سے ساز باز کر رہا ہے، بغاوت کے لئے فوج
 تیار کر رہا ہے خفیہ لٹریچر سازی کے سامان فراہم کر رہا ہے۔ انگریزی اخبارات
 کے کالم اس پر طعن و تشنیع کے لئے وقف تھے۔ اور خود انگریزوں
 لارڈ لٹن کو بھی یہ کہنے میں تامل نہ تھا کہ اس کے عہد حکومت میں سالار جنگ
 سب سے بڑا ”خطرہ“ تھا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سالار جنگ نے
 اپنے آقا کے حق نمک کو ادا کرنے کے لئے انگریزی حکومت سے وہ ملک
 واپس طلب کیا تھا جسے وہ ہضم کر چکی تھی۔

چند الفاظ نواب وقار الامراء بہادر کے متعلق بھی کہنے ضروری ہیں
 جن کو اس موقع پر شریک مختار کے منصب کے لئے سب سے زیادہ ”موزوں“
 اور قابل شخص قرار دیا جا رہا تھا۔ یہ شمس الامراء امیر کبیر اول کے صاحبزادے
 تھے۔ ۱۹۰۵ء میں جب کرنل ڈیوڈسن اور نواب سالار جنگ پر قاتلانہ
 حملہ ہوا تھا تو ان پر شبہ کیا گیا تھا کہ قاتل کی پشت پر ان کا ہاتھ ہے
 لہ۔ ہتھارنٹن نے سرچر ڈیوڈسن کی موٹو گرافی میں ان کے اس خط کا حوالہ دیا ہے۔

۱۸۶۱ء میں ایک اور سازش کے سلسلہ میں ان پر برٹش گورنمنٹ کا عتاب نازل ہوا تھا اور سرکاری درباروں میں ان کا داخلہ تک بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۶۹ء کی ایڈمنسٹریشن رپورٹ میں سٹر سائڈس رزیڈنٹ ان کے متعلق لکھتا ہے کہ :-

”۸ سال پہلے امیر کبیر کے بھائی نواب وقار الامرا ایک ایسی سازش میں شریک ہونے کے مجرم قرار دیئے گئے جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود اپنے لئے وزارت کا منصب حاصل کریں۔ اس لئے حکومت عالیہ کے احکام کے ماتحت ان کو ہر ایسے پبلک اجتماع کے موقع پر (جس سے خود نظام کا دربار بھی مستثنیٰ نہ تھا) شریک ہونے سے روک دیا گیا جس میں ملکی حکومت کا نمائندہ موجود ہو۔ یہ حکم سراسیماسی اعتبار سے کامل موت کا ہم معنی تھا۔“

چار پانچ سال پہلے تک جس شخص ”پرسیاسی موت“ طاری رکھی گئی تھی اور جس کا سرکاری اجتماعات میں داخلہ تک بند تھا۔ اس پر اب عنایات شہانہ و الطاف خسروانہ کی بارش ہو رہی تھی اور اس کے متعلق برطانی رزیڈنٹ امرائے حیدرآباد کے مجھے جمعے میں کہہ رہا تھا کہ ”وہ ہلکتے سے برٹش گورنمنٹ اور نہر ہائی انس نظام کی حکومت کے درمیان دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہشمند رہا ہے۔“

اس طرح سالار جنگ کو بے بس کرنے کے بعد ۲۸ مارچ ۱۸۷۷ء کو

لارڈ سائبرس کی جانب سے سالانہ جنگ کے اس ممبریل کا جواب بھجوا دیا گیا جو انہوں نے جون ۱۸۷۷ء کو بھیجا تھا۔ اس جواب میں کنٹیننٹ کے وجود اور اس کی برطانیہ کے مسئلہ کو سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا کہ ریل لوکی معرفت سرکار نظام سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس سے بھی کوئی بحث نہیں کی گئی اور تمام دلائل کا صرف یہ جواب دیا گیا کہ :-

”اس وقت ان اسباب اور محرکات کے متعلق تحقیقات کرنا جو ۱۸۵۳ء کا معاہدہ کرنے والوں کے لئے باعث تشریک ہوئے تھے، فضول ہے۔ یہ وقت کہ اس پر دستخط کئے گئے اور وہ ان لوگوں کیلئے واجب التعمیل ہے جنہوں نے اس پر دستخط کئے، صرف یہی ایک ایسا مادی واقعہ ہے جس سے ہر محسوسی حکومت کو ایک نیا دنیا نہ رہائی نس کی حکومت کو دوسری جانب سرکار کھینچا ہے۔ مگر اس کھلی ہوئی صداقت کشی کے باوجود لارڈ سائبرس نے سالانہ جنگ کے مدلل دعوے کو کلیتہً رد کرنے کی حیرات نہ کر سکا اور اس نے صرف اس عذر کی بناء پر اس کو رد کیا کہ ”اس قسم کے مسائل کو نظام کی جانب سے چھڑنا ایسی حالت میں کچھ نامناسب سا ہے جب کہ خود نظام ابھی نابالغ ہیں“ اور اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ کیا کہ اگر نہ رہائی نس کی سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ خواہش کریں گے کہ دو لیتین کے تمام اہل علاقہ پر جو از روئے معاہدہ طے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ نہ رہائی نس کی اس درخواست پر غور کرے گی۔“

اگرچہ یہ عذر بھی نہایت غیر معقول تھا جب والی ملک کی باہمی

زمانہ میں مختار ریاست تمام معاملات کا نگران ہوتا ہے تو اس کی جانب سے سیاسی مسائل کو حل کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ خود تاریخ انگلستان میں ایجنسی کے ایسے اہم معاملات طے کرنے کی مثالیں نادرا لوجود نہیں ہیں، ایڈورڈ ششم کی نابالغی کے زمانہ میں نہایت اہم قانون کلب کی تدوین اور ۴۰ لاکھ کراؤن کے عوض بولوں (Bologne) کی واپسی۔ ہسبری سوم کی نابالغی کے زمانہ میں میگنا کارٹا کی توثیق اور آخری ایجنسی میں ۱۸۱۴ء کے معاہدہ پیرس کے ذریعے مالٹا، مارشس، سیلون اور جزائر عربیہ کا انگریزوں کے ہاتھ آنا یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔ جب ایسے ایسے معاملات ریجنسی کے دور حکومت میں طے ہو سکتے تھے تو حیدرآباد کی ریجنسی سے استرداد براہ کے مسئلہ کو حل کرنا کیوں نامناسب تھا؟ تاہم یہی غنیمت ہے کہ لارڈ سائبری نے لارڈ مارٹھ بروک کی طرح گفت و شنید کا دروازہ بالکل بند نہیں کیا اور نظام کے لئے اس کی گنجائش رکھی کہ اس دروازہ کو کھٹکھا سکیں۔

نواب میر محبوب علی خاں حوم

نواب سالار جنگ مرحوم سائبری کا یہ جواب سنکر اس امید پر خاموش ہو گئے تھے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے سن بلوغ کو

۱۲۵
 پہنچے میں بھی کچھ زیادہ مدت نہ تھی، ان کو خیال تھا کہ جب حضور تخت
 نشین ہوں گے تو انگریزی حکومت کے لئے ناہانگی کے عذر کی بھی
 گنجائش نہ رہے گی۔ لیکن قدرت انگریزی حکومت کے لئے پیہم کامیابی
 کے سامان جہیا کئے جا رہی تھی۔ ابھی اعلیٰ حضرت مرحوم کی تخت نشینی
 میں ایک سال باقی تھا کہ ۱۸۵۷ء میں نواب سالار خبک کا انتقال
 ہو گیا اور انگریزی حکومت کے کارندے اس کوشش میں لگ گئے کہ
 نواب کی تخت نشینی سے پہلے برار کے قضیہ کا ہمیشہ کے لئے قابل
 اطمینان فیصلہ کر لیا جائے۔ حیدر آباد کے چالاک زرڈینٹ مسٹر
 کارڈری (Cordery) نے بعض نمک حرام امراء سے
 سازباز شروع کر دیا اور ایک غبہ نامہ کا مسودہ بھی طیار کر لیا۔
 جس پر فوجان بادشاہ سے دستخط لینے کا ارادہ تھا۔ بلٹ جو اس
 زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کرتے ہوئے حیدر آباد آیا تھا
 اپنی مشہور کتاب ہندوستان بھرپن (Ripon)
 میں اس سازش کے متعلق لکھتا ہے :-

”ہم نے نہایت آزادی کے ساتھ سیاسی حالت پر گفتگو کی جو
 یہ تھی چند ہفتوں میں نظام سن بلوغ کو پہنچ جائیں گے اس کیلئے زبردستی
 کی طرف سے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان سے ایک معاہدہ پر دستخط
 حاصل کئے جائیں جس میں نظام اور حکومت ہند کے درمیان موجود وہ
 اتحاد کی تجدید کے ساتھ ایک نئے اس قسم کی بھی ہے جو تمام کچھلے معاہدوں کو

منسوخ کر دیتی ہے۔ اور اس طرح صوبہ برائے قتل طور پر انگریزوں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ سید حسین (نواب غلام الملک مرحوم) یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ مجوزہ معاہدہ کا مسودہ رزیدنسی میں تیار رکھا، ان کو اسکی ایک نقل یا اس کا خلاصہ دکھایا گیا ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ جب نظام سن بلوغ کو پہنچیں گے تو یا تو اس معاہدہ کو اسکی تخت نشینی کیلئے لازمی شرط کے طور پر پیش کیا جائے گا یا اس سے پہلے ہی اس پر پیشکار دستخط لے لئے جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ کارروائی قانون کے مطابق کی جاسکتی ہے کیونکہ کونسل آف راجنسی کو شاہی اختیارات حاصل ہیں اور کونسل جن لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں ایک تو ضعیف العمر اور غیر مستقل پیشکار ہیں دوسرے خود تخت کے امیدوار خورشید جاہ ہیں اور یہ دونوں رزیدنسی کے اثر میں ہیں تیسرے بشیر الدولہ ہیں جن کا کوئی خاص رنگ یا مضبوط کیرکٹر نہیں ہے۔ رہے نوجوان سالار خجنگ (یعنی میر لائق علیجاں ابن سالار خجنگ اول) سو وہ کونسل میں محض میں سکرٹری کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے کونسل کے فیصلوں میں ان کی آواز کا کوئی خاص اثر نہیں ہے۔

بہت ممکن تھا کہ اس سازش کو کسی نتیجہ خیز حد تک پہنچا دیا جاتا، مگر اس وقت ہندوستان کا وائسرائے لارڈ رین تھا جو مارچ بروک اور لٹن سے مختلف ذہنیت کا آدمی تھا، اس لئے اسکے تحت روز روشن میں بے ایمانی نہ کی جاسکتی، اور رابر کا مسئلہ مزید بیس سال کے لئے ملتوی ہو گیا۔

۱۲۷
 اعلیٰ حضرت مرحوم نے مسند آرائے سلطنت ہونے کے بعد استرودا برار کے مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور انگریزی حکومت کے ساتھ خافیت درجہ کی وفاداری کا اظہار کرتے رہے۔ انہوں نے افغانستان اور ہر کے مسائل میں اپنی فوجی امداد انگریزی حکومت کو پیش کی ۸۸ء میں جبکہ روس کا خطرہ بڑھ رہا تھا تو مرحوم نے سرحد کی حفاظت کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ اور ایک کثیر فوج سے حکومت کی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا کہ اگر ضرورت ہو تو میں بذات خود میدان جنگ میں جاؤں گا۔

اعلیٰ حضرت کی اسی پیشکش سے امپیریل سروس ٹروپس کا تحلیل پیدا ہوا ۱۸۹۲ء میں انہوں نے امپیریل گورنمنٹ کی مدد کے لئے ۸۰۰ سواروں کا ایک سالہ قائم کیا اور دسمبر ۱۹۰۱ء میں برٹش گورنمنٹ سے یہ سمجھوتہ کیا کہ جب کبھی میدان جنگ میں انکی فوج جائے گی تو وہ انگریزی افواج کے ساتھ اعلیٰ کے ماتحت رہے گی۔

اس وفاداری اور استرودا برار کے حق سے بے اعتنائی کا یہ انعام ملا کہ ۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن نے خود مسکے برار کو چھٹرا اور انہی جائز طریقوں سے جو پہلے ڈاہوری اختیار کر چکا تھا، برار کا دوا می پٹہ حاصل کر لیا یہ کارروائی جس طریقہ سے عمل میں لائی گئی اسکی صحیح کیفیت ظاہر کرنے کے لئے ضروری ہو کہ ۵۰ سال پہلے کے واقعات سے اس کا سلسلہ از سر نو چوڑا جائے۔

لارڈ کرزن کا دوا می پٹہ
 ۱۹۰۵ء جب تفویض برار کے معاہدہ کی گفتگو کا آغاز کیا گیا تھا

ابتداءً حکومت برطانیہ کا مطالبہ یہ تھا کہ برار کو ہمیشہ کے لئے اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۵۳ء کو لارڈ ڈلہوزی نے مجوزہ معاہدہ کا جو مسودہ کرنل لو کے نام بھیجا تھا اسکی دفعہ ۶ کے الفاظ یہ تھے۔

”مذکورہ بالا حیدر آباد کنٹیننٹ کے مصارف کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے

ہندوستانی انس نظام اس معاہدہ کے ذریعہ آئرلینڈ ایٹ انڈیا کمپنی کو دوائی

طور پر وہ تمام اصلاح سپروائزیشن کرتے ہیں جن کے نام اس معاہدے

منسلک ضمیمہ میں دیئے گئے ہیں۔

جب یہ مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے سب سے زیادہ جس چیز کی مخالفت کی وہ یہی ”دوامی تقویض“ تھی اس کے خلاف انکی ناراضی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ انگریزی سلطنت کی شدید دھمکیوں کے باوجود اس کو قبول کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کرتے رہے اور انگریزی رزرویشنٹ کو یقین ہو گیا کہ اگر اس پر زیادہ زور دیا گیا تو اگلے معاہدہ پر گز نہیں کریں گے تب اس نے ”دوامی طور پر“ کے الفاظ نکال دیئے اور اس شرط پر معاہدہ کیا کہ جب تک انہیں کنٹیننٹ کی ضرورت رہے گی اس وقت تک برا انگریزی انتظام میں رہے گا۔ کرنل لو اپنے ۴ مئی ۱۹۵۳ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ:-

میں نے جب یہ لکھا کہ لفظ ”دواماً“ (Imperpetuity) سے

نظام کی ناراضی اشتہار دہ کو پہنچی ہوئی ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اس

لفظ پر زیادہ اصرار کیا تو تمام گفت و شنید ہی ناکام ہو جائے گی تو میں نے

یہ اعلان کیا کہ اس سکیم کا یہ حصہ ایسا ہے جس کے متعلق میری حکومت نے

مجھے آزاد دی دی ہے کہ اگر ضروری ہو تو اسے بدل دوں اور میں نے باضابطہ

(Formally) اعلان کر دیا کہ اگر نہ ہائی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع ٹھیک

کی پرنسپس کی عرض سے محض اس وقت تک کے لئے تفویض کئے جاسکتے ہیں جب

تک انہیں اسکی (یعنی کنٹینٹ) کی ضرورت ہے اور مزید برآں میں نے کہا کہ

اگر نہ ہائی نس مجھ سے یہ خواہش ظاہر کریں کہ وہ اس کی فوج کی ضرورت ہیں

رکھتے تو گورنر جنرل اسکو بتدیج تحفیف کر کے کلکتہ پر طرف کرینگے.... اور

جب یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہو

تو نظام ان اضلاع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں۔

اس طرح تفویض کے محض عارضی ہونے کا اطمینان دلا کر ۱۸۵۳ء میں پراپر

قبضہ چھل کیا گیا تھا۔ جب یہ ابتدائی مرحلہ طے ہو گیا تو سات سال بعد اس

مقررہ کی جانب سے دوسرا قدم بڑھایا گیا۔ ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے نو

فضل الدولہ سے خواہش ظاہر کی وہ ملک برار کو کشمیری ناگپور سے فتح کرنے کی اجازت

دیدیا اور ملک کی آمدنی میں سے منافع کا مطالبہ ترک کر دیں۔ برار لارڈ کیننگ نے اپنی

یہ عرض کیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو تفویض برار کی بالکل وہی حیثیت ہو جائیگی جو برار

کے علاقہ کی ہے۔ اور اس طرح "الحاق" اور "تفویض" میں کچھ فرق نہ رہے گا۔ اس

معتول قعر میں کا حکومت منہد کے پاس کوئی جواب نہ تھا اس لئے اس نے تحریض

و اطلاع سے کام نہ لے کر کوشش کی اور سرکار نظام کو رپورٹس کی معرفت کھٹا کھٹا

گورنر جنرل باجلاس کونسل ان اضلاع کو کلکتہ نظام کے مقرضات کا ایک

حصہ سمجھتے ہوئے اور برٹش گورنمنٹ کے کسی ضلع میں ان کو ضم کرنے سے
 احتراز کرتے ہوئے محض انتظامی آسانی اور خرچ کی کفایت کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ
 انہیں ننگر ناگپور کی نگرانی میں دیدیں اس طریقہ سے جو ڈسٹرکٹ کمشنر کا عہدہ
 توڑ دیا جاسکے گا۔ ضلع منوفہ کے انتظام کے لئے دوسرا علاقہ جو حید آباد میں
 رکھا جاتا ہے اسے بھی موقوف کیا جاسکے گا اور بہت سی تخفیف مصارف
 متعلق اصلاحیں عمل میں لائی جاسکتی ہیں۔

لیکن اس اطلاع کا بھی حضور نظام پر کچھ اثر نہ ہوا اور جب ان پر زیادہ
 روز ڈال گیا تو انہوں نے صاف کہا کہ تم ہمیں ایسے امور کو قبول کرنے پر مجبور کرتے ہو
 جن کو ہم نہیں چاہتے، اور ملکہ مضطر کے اعلان کے باوجود تمہاری حکومت ہمارے
 ساتھ پھر وہی جا رہا ہے سلوک کرنا چاہتی ہے جسکی بدولت اس سے پہلے ہم سب
 سال تک مالی مشکلات میں مبتلا رہے ہیں۔ انگریزی حکومت تہیہ کر چکی تھی کہ
 سر جان میکیم کی پرانی اسکیم کے مطابق برائے ناگپور ساگر اور نرید کے علاقوں کو
 ملا کر ایک صوبہ متوسط قائم کر دے اور یہاں طے ہو چکا تھا کہ اس جدید صوبہ کا
 پہلا لفٹنٹ گورنر حکومت منہد کے معتمد امور خارجہ ڈسٹرکٹ بیڈن کو بنایا جائے
 مگر جب دیکھا کہ نظام اس نقطہ پر اتنی سختی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں ”تخلیف“
 و ترہیز کے بغیر اپنی مرضی و خوشی سے اسکو نہ چھوڑیں گے۔ حکومت منہد نے

۱۷ مئی ۱۸۸۹ء ڈپٹی سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا رسلہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۸۸۹ء نمبر ۳۸۸
 صفحہ خارجہ ۱۷ کرنل ڈیوڈسن کا رسلہ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۸۹ء نمبر ۹۱ صفحہ خارجہ۔
 ۱۷۔ ایضاً

۱۵۱
کسی دوسری فرصت کے لئے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا اور بالواسطہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے بجائے بالواسطہ حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔

یہ بالواسطہ حصول مقصد کا طریقہ یہ تھا کہ آمد و خرچ کا حساب پیش کرنیکی شرط جو ۱۸۵۵ء میں نکالی گئی تھی اڑاوی گئی اور حکومت کے لئے اس حق کو محفوظ کر لیا گیا کہ وہ برار کی آمدنی میں سے جتنا چاہے خرچ کرے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء نومبر ۱۸ء کو حکومت مندر کے ضمیمہ خارجہ کی جانب سے یہ تصریح کر دی گئی کہ:-

گورنر جنرل باجلاس کونسل اس بات پر رضی ہیں کہ ضلوع مفوضہ کی آمدنی میں سے نظم و نسق کے مصارف اور وہ اخراجات جو اس پر عائد کئے گئے ہیں وضع کر کے جو کچھ رقم بچے اور سرکار نظام کو ادا کر دے مگر یہ ضامندی صرف اس معاہدہ پر ہے کہ اس میں برٹش گورنمنٹ کے لئے پھیلاؤ کی زیادہ سے زیادہ گنجائش رکھی جائے گی اور ان ضلوع کے نظم و نسق کے لئے تمام وہ اخراجات جنہیں گورنمنٹ کے عہدہ دار مناسب اور ضروری سمجھیں گے۔ انہیں قبل اس کے کہ کوئی فیصلہ یا کسی سرکار کو ادا کیا جائے اس میں وضع کر لیا جائے گا اور سرکار نظام کو اس غرض سے کرنے کی حق نہ ہوگا اور اگر ایک سال آمدنی سے خرچ زیادہ ہونے کے باعث گھٹا آیا تو اسے دوسرے سال کی بچت سے پورا کر لیا جائے گا۔^{۱۵۱}
اس شرط کو سرکار نظام نے طوعاً کرہاً منظور کر دیا اور ۱۸۵۶ء کے معاہدہ کی فتح

چہارم میں یہ بات طے کر لی گئی کہ :-
 اخراجات کی مقدار کل تینہ برٹش گورنمنٹ کے اختیار تیزی پر منحصر رہیگی
 اس شرط کو منظور کر لینے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ہر ایک کے خزانہ سے جہاں تک
 ممکن ہو گا نظام کو بحالت کا ایک پیسہ نہیں دیا جائے گا۔ معاہدہ طے ہونے ہی
 دوسرے سال سے کنٹیننٹ کے اخراجات تقریباً دو گنے کر دیئے گئے، ڈاڑھی
 کے زمانہ میں سے صرف ۳۸ لاکھ سالانہ خرچ کئے جاتے تھے اب ان کو بڑھا کر ۸۸
 کر دیا گیا (حالانکہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان ۲۴ لاکھ سے زیادہ نہ تھے)
 نظم و نسق کے مصارف ۲۵ فی صدی سے بڑھ کر ۳۳ فی صدی ہوئے، پچھڑے فیصد
 اور آخر ۵۶ فی صدی تک ان کو پہنچا دیا گیا۔ ۷۰۰ مربع میل رقبہ اور
 ۲۸۹۰۰۰۰ کی آبادی رکھنے والے صوبہ کا عملہ اس زمانہ میں پندرہ
 کے برابر تھا جس کی آبادی ۸۲ لاکھ تھی اور جس کے حدود ڈیڑھ لاکھ
 مربع میل پر محیط تھے اس چھوٹے صوبہ کو ۶ اضلاع پر تقسیم کیا گیا تھا
 اور ہر ضلع میں ایک کلکٹر ۵۱۵ دواگارا اور ۲۰ زامد دواگارا رکھے گئے تھے اور
 اسی نسبت سے دوسرے محکموں میں بھی انتہا درجہ کی دریا دلی کے ساتھ
 فضول عمل رکھا گیا تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بار وفادار کو اس
 وقت تک ایک پیسہ نہ ملے جب تک ۵۱۵ اپنے ملک کو کشمیری ناگپور سے ملتی کرتے
 پکڑے نہ ہو جائے۔

ہر ایک آمدنی ۱۸۶۰ء تک ۳۲ لاکھ تھی دوسرے سال ۴۰ لاکھ ہو گئی

۱۹۷۱ء میں ۷۳ لاکھ ہوئی اور ۱۹۷۲ء میں ایک کروڑ تک پہنچ گئی لیکن اتنی تیز رفتار
توسیع کے باوجود ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک جو بچت کی رقم سرکار نظام کے لئے
نکالی گئی اس کا اوسط ۹ لاکھ سے زیادہ کبھی نہ بڑھا بلکہ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۳ء کے
درمیان تو صرف ۷ لاکھ کا اوسط رہا اور ۱۹۷۹ء میں ایک پائی کی بھی بچت نہ
نکالی گئی۔ پھر مزید یہ کہ برار کی آمدنی میں ۵۰ لاکھ کی ایک رقم خیرات خانی
ضروریات کے لئے محفوظ بھی کر لی گئی حالانکہ اسے ملک کے اصل مالک کے
خزانہ میں پہنچا چاہئے تھا۔

۱۹۷۹ء میں جب برار کی نئی جمعیہ بندی ہونے والی تھی اور یہ امید تھی کہ
اس میں اس صوبہ کی آمدنی ایک کروڑ ۱۶ لاکھ ہو جائیگی تو یہ تجویز پیش کی گئی کہ
کیٹجٹ کے مصارف ۳۵ لاکھ اور نظم و نسق کے مصارف ۵۰ لاکھ رکھ کر
سرکار نظام کیلئے ۳۱ لاکھ کی بچت نکالی جائے لیکن اس تجویز کو انگریزی حکومت
کے سرکاری حلقوں میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور یہ تجویز جہاں سے
نکلی تھی وہیں دفن ہو گئی۔

اب پہلے تو تعلقوں پر جب سرکار نظام کی طرف سے شکایت کی گئی تو مئی
۱۹۷۹ء میں اے آر ڈی جارج سیمپلس (وزیر ہند) نے اس طرف توجہ کی اور حکومت کو بتا دیا
”میں اس صورت حال کو قابل اطمینان نہیں سمجھ سکتا اور یورپ کی حکومتوں
کی حکومت کی خاطر توجہ کے لئے اس معاملہ کو بدین غرض پیش کرتا ہوں کہ
کفایت شعاری کی ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جو برار کی مالی پوزیشن کو
ایسی بنیاد پر قائم کرنے کے لئے قابل عمل پائی جائیں جس سے

۱۵۴
نظام کو ادا کرنے کے لئے مخارج پر مدخل کی کافی زیادتی نکل آئے۔
اس کے جواب میں حیدر آباد کے رزٹرنٹ نے ایک طویل رپورٹ
بھیجی جس کا خلاصہ یہ ہے:-

”دونوں حکومتوں کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ ان شرائط پر از سر نو غور
کیا جائے جن کے ماتحت برار کا موجودہ انتظام ہو رہا ہے تاکہ نہ ہائی ٹنس
نظام کو ان کے ان اضلاع سے جو ہماری تفویض ہیں اس سے زیادہ باقاعدہ
اور حین آمدنی دی جائے، جتنی موجودہ معاہدہ کے ماتحت دستیابی ممکن ہے
اس معاملہ میں معاہدہ کی شرائط کی پوری پابندی کی گئی ہے مگر معاہدہ
خود ہی ایسا ہے کہ نظم و نسق میں کسی کفایت شعاری کا موقع نہیں دیتا
اور زیادہ بچت بچانے سے روکتا ہے۔ اب تک بڑی سے بڑی رقم جو
کسی ایک سال میں نہ ہائی ٹنس کو دی گئی ہے وہ ۸۸-۸۹ء میں
۱۹۷۳ء کی رقم تھی چند سال ایسے بھی گزرے ہیں جن میں کوئی
بچت ہی نہیں نکلی۔ اوسطاً ۱۸۶ء سے ۱۹۷۳ء تک قریب قریب
۹ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم سرکار نظام کو دی گئی ہے۔ زیادہ قریبی
زمانہ میں تو ایسے حالات پیش آ گئے ہیں کہ آئندہ چند سال کے لئے
بچت بچانے کا موقع ہی نہیں رہا بہر حال صاف ظاہر ہے کہ چالیس
سال سے برار ریاست حیدر آباد کے لئے محض ایک غیر حین آمدنی رہی ہے
آمدنی کا ذریعہ رہا ہے اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس صورت حال
میں کسی قسم کا تغیر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔“

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر نظامِ شہداء کے معاہدہ کو بدل کر حکومتِ سندھ کی مرضی کے مطابق دوسرے انتظام کرنے پر رضی نہ ہو تو جس طرح چالیس سال سے ان کو غیر معین اور گھنٹی بڑھتی آدنی ملتی رہی ہے اسی طرح آئندہ بھی بس ایسی ہی ملتی رہے گی بلکہ آئندہ اتنی بھی ملنے کی امید نہیں ہے! ایک طرف قحط کے باعث سرکارِ نظام کی مالی حالت حد درجہ خراب ہو رہی تھی آدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی نے اسکو سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا اور اسے ۲ کروڑ کے قریب قرض لینا پڑا تھا دوسری طرف وہ پرانا دوست جسکی مدد کے لئے نواب میر محبوب علی خاں مرحوم نے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم اپنی رعایا کی اور بوقتِ ضرورت خود اپنی جسمانی خدمات کے ساتھ پیش کی تھی ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے ملک کے سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے تم کو اس شدید ضرورت کے موقع پر اس وقت تک ایک پیسہ نہ دوں گا جب تک تم میری ان شرائط کو نہ مان لو گے جنہیں تمہارے والد نے چالیس سال پہلے نامنطور کیا تھا اس سے زیادہ احسانِ شامی شرافت اور آدمیت اور کیا ہو سکتی تھی؟ پہلے یہی اخلاقی فضیلت دوست پر فوجی حکم کی دھمکی کی صورت میں ظاہر کی گئی تھی۔ اب زمانہ بدل چکا تھا اس لئے وہی چیز اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ دوست کو شدید مالی مشکلات میں مبتلا کر کے اپنی شرائط ماننے پر مجبور کیا گیا۔

یہ نازک حالت تھی جس میں برار کی آدنی کے مسئلہ کو طے کرنے کیلئے سرکارِ نظام نے ۱۹۱۷ء میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا جو چند مہینے تک

۱۵۶
چلتا رہا۔ آخر ۱۹۲۸ء کے اوائل میں لارڈ کرزن نے خود حیدرآباد جا کر اسکو
طے کرنے کا قصد کیا اور ۳۳ مارچ کو اعلیٰ حضرت مرحوم سے وہ تاریخی ملاقات
کی جس کا نتیجہ ایک سمجھوتہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سفر کا مقصد خود لارڈ
کرزن ہی نے اپنے ۱۳ نومبر ۱۹۲۸ء کے ایک مراسلہ میں اس طرح
بیان کیا ہے۔

امتداد زمانہ سے یہ (۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۶ء کے) طے کئے ہوئے معاملات
غیر مناسب بھی ہو گئے تھے اور فرسودہ بھی اور اس کے ساتھ ہی کبھی
کبھی نزاعات بھی پیدا کرتے رہتے تھے..... گورنمنٹ آف انڈیا
کی جانب موجود الوقت انتظام کی خرابی یہ تھی کہ معاہدات کے ماتحت
صوبہ کا فوجی دیوانہ نظم و نسق ناقص اور مسرفانہ تھا اور تہذیبی انس
کی جانب تفریق خواہش فاضل باقیات کی اس غیر معین اور ناپائدار
حالت سے پیدا ہوئی تھی جسکی بے ضابطگی اور پراگندگی ریاست کے
مالیات میں بے ثباتی کا افسوسناک عنصر پیدا کر رہی تھی۔

آگے چل کر لارڈ کرزن کہتا ہے کہ اس عقدہ کا حل اس نے یہ سوچنا تھا
ان انتظامی و شعاریوں کو ایسے طریقے سے دور کیا جائے جس سے
”ہندوستانی نس نظام کو ان کی مملکت کے اس خطے سے ایک معین مدنی حاصل
ہو سکے اور ہر ایک کی ۲۸ لاکھ آبادی کے لئے ان حالات اور مراعات کے
استمرار کا اطمینان کر لیا جائے جن سے وہ خوشحالی کے لبذو جہ پر پہنچ گئے
ہیں۔“ ان حالات و مراعات کا استمرار دوسرے الفاظ میں پیش گوئی کرتے

۱۵۷
 قرضہ و تصرف کا استمرار تھا۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لارڈ کرزن
 نے گفت و شنید کا آغاز کیا اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے
 سامنے یہ تجویز پیش کی کہ برٹش گورنمنٹ کا برابر کا دو امی بیٹہ اس شرط
 پر دیدیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے اس کا انتظام کرے اور اسکے عوض
 ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ مستقل خرچ سروس کو دے اول اول اعلیٰ حضرت مخوم
 نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا اور برار کی دایمی پرزور دیا۔ مگر
 جب لارڈ کرزن نے انہیں یقین دلایا کہ برار ہرگز واپس نہ کیا جائیگا
 اور ۸۶ لاکھ کی شرائط پر قائم رہنے سے وہ برار کی آمدنی کا بھی فائدہ
 نہ اٹھا سکیں گے تو مجبوراً انہوں نے لارڈ کرزن کی اس تجویز کو قبول
 کر لیا اور ۵۸ نومبر ۱۹۰۷ء کو فریقین کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا۔
 جس کی تفصیلات حسب ذیل تھیں۔

وقفہ اول :- ہربائی بس نظام جن کے شاہی حقوق اضلاع منقوہ
 پر از سر نو تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان اضلاع کو دو امی بیٹہ پر برٹش گورنمنٹ
 کے حوالہ کرتے ہیں۔ جس کے عوض برٹش گورنمنٹ ان کو ۲۵ لاکھ روپے
 سالانہ کامعین اور مستقل خرچ ادا کریگی۔

وقفہ دوم :- حکومت برطانیہ اضلاع منقوہ میں اس مکمل اور غیر مشترک
 واقعہ کو برقرار رکھتے ہوئے جو اسے ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے معاہدات کی
 رو سے حاصل ہیں اس امر میں آزاد ہوگی کہ بلا لحاظ ان معاہدات کی
 خلاف ورزی کے اضلاع منقوہ کا ایسے طریقے سے انتظام کرے

جیسے وہ پسند کرتی ہو نیز یہ کہ ان افواج کو جو حیدرآباد کی ٹینٹ کے نام
تائیم میں جیسے مناسب سمجھے از نو تقسیم کر کے تخفیف کر کے تنظیم کرے اور
نگرانی کرے البتہ ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ۳ میں نہرانی اس کے مقبوضاتی
خطات کا جو اقرار اس نے کیا ہو اسے جیسا کہ واجب ہو پورا کرنے کا بندوبست کر دے

اس مختصر سے معاہدہ کے ذریعہ لارڈ کرزن نے صرف یہی فائدہ نہیں
اٹھایا کہ برار کا دوامی پٹہ حاصل کر لیا جو پچاس سال پہلے باوجود ”دھکیوں اور
بھکیوں“ (Oburgations & Threats) حاصل نہ ہو سکا تھا۔ بلکہ
برار کو ناگپور کی کشمیری سے ملحق کر کے ایک صوبہ متوسط بنانے کی تمنا بھی پوری
کر لی جسے ۱۸۵۷ء میں نواب افضل الدولہ نے رد کر دیا تھا اور حیدرآباد کی ٹینٹ کو
توڑ دینے کا بھی اختیار حاصل کر لیا حالانکہ اسی فوج کی خاطر صوبہ برار کا نظام سے حاصل
کیا گیا تھا اور اس فوج کو توڑ دینے کے بعد اس صوبہ پر انگریزی قبضہ رہنے کی
کوئی معقول کیا معنی نامستقل وجہ بھی نہ تھی ایسے عظیم فوائد کے مقابلہ میں
انگریزی حکومت نے صرف ۲۵ لاکھ سالانہ کی رقم پیش کی اور وہ بھی اس شرط کی تھی کہ
اس میں سے بیس سال تک ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ برار کے قرضوں (Berar loan)
میں اور ایک غیر مستعمل مدت تک ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ حیدرآباد کے
قرضوں (Hyderabad loan) میں وضع کیا جاتا رہے گا اور
سرکار نظام کو ان سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے صرف ساڑھے چھ لاکھ روپیہ
سالانہ ملے گا۔ بعد میں سرکار نظام کی درخواست پر اس شرط میں

تھوڑی سی ترمیم ہو گئی جس کے مطابق ایسا انتظام ہو گیا کہ ۲۵ لاکھ کی پوری رقم تیس سال بعد سرکار نظام کو ملنی شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ ابھی اس وقت کے آنے میں چند سال باقی ہیں۔

یہ معاہدہ تو بیشک ہوا اور سرکار نظام نے اسکی تصدیق بھی کی لیکن ہوا یہ ہے کہ قانونی حیثیت سے یہ کہاں تک ایک جائز معاہدہ تھا؟ اس کیلئے حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم برادر کا دومی بیٹہ کھنے کیلئے ہرگز تیار نہ تھے جس وقت یہ تجویز ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اور امراء و اعیان سلطنت کی کونسل نے بالاتفاق اس کی مخالفت کی اور ۳۰ مارچ ۱۸۹۷ء کو سبک مشورہ سے اعلیٰ حضرت مرحوم کی جانب سے ایک خط لارڈ کرزن کے نام لکھا گیا جسے خود مرحوم اپنے ہاتھ سے پیش کر دیا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ :-

”میں اس پرانے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ استدرا برابر کے لئے میرے حق کیا ہیں یا اس کے متعلق معاہدات اور دوسرے سرکاری جھوڑ و موافق کے معنی کیا ہیں میں پورے بھروسے کے ساتھ ان معاہدات کو یورپ کی توجہ سے کر سکتا ہوں پرچھوڑتا ہوں میں آپ کے توسط سے نہر عجیبی شہنشاہ عظم کی خدمت میں صرف یہ گزارش کروں گا کہ وہ لطف و کرم کی ایک خاص عطا کے طور پر برابر واپس کر دیں اور میں یہ اجازت چاہوں گا کہ یورپ و شہر کو اس معاملہ میں اپنا وکیل بناؤں میں پورا یقین رکھتا ہوں اور مجھے

۱۶۰
کامل بھروسہ ہے کہ میری یہ گزارش نہر جسٹس کی تلج پویشی کے مبارک
موقع پر رائیگاں نہ جائے گی۔

(۲) اعلیٰ حضرت مرحوم اپنے اس مطالبہ سے ہٹکر دومی پٹہ کی تجویز کو
قبول کرنے پر صرف اس وقت راضی ہوئے جب لارڈ کرزن نے انکو پورے
زور کے ساتھ یہ یقین دلادیا کہ پچھلے معاہدات کی رو سے انکو برار کی دایسی کا
مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرینگے بھی تو اسے ہرگز نہ قبول
کیا جائے گا۔ معاہدہ گفت و شنید کے متعلق لارڈ کرزن نے جو نوٹ لکھا تھا
اس میں وہ خود کہتا ہے کہ:-

”میں جب سمجھا کہ ایسی صورت فائدہ مند شرائط نہ ہائی نس کو پسند نہیں آئی تو
مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ اگر ان شرائط کو رد کر دیا گیا تو حکومت ہند بھر موجود
پوزیشن کی طرف رجوع کریگی جس کے لئے کوئی رشتہ تعین نہیں ہے اور جس میں ہم
پچاس سال سے نسبت بہت کم مالی معاوضہ دیکر اس شے سے استفادہ کر رہے ہیں
جو دراصل مقصود بالذات ہے اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی جسکی بنا پر
مجھے موجودہ تجاویز کے نامکام ہونے پر افسوس کرنا چاہئے اگر ان کو رد
کر دیا گیا تو یہ حدود درجہ غیر متوقع ہے کہ میرے بعد انیوالا کوئی دالسرٹے
اس سوال کو دوبارہ چھڑکے یا برطانیہ کی کوئی حکومت اپنی بات کو دوبارہ
رد کرنا پسند کریگی۔ اس لئے نہرائی نس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ تصفیہ
کا جو موقع اب ان کو دیا جا رہا ہے اس کے دوبارہ پیش کئے جانے کی
توقع نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ایسی صورت میں معاملات کی بدحوہ تیب

ہی ایک دائمی صورت اختیار کر لیگی۔

”مگر انہوں نے (یعنی نظام نے) یہ معلوم کرنے کی خواہش کی کہ آیا جدید تصفیہ میں انہیں آزادی باقی رہی گی کہ آئندہ کسی وقت وہ برار کی واپسی کا مطالبہ کریں گی اس کا جواب میرے یہ دیا کہ اگر برادر دای پٹر پرٹش گورنٹ کو دیدیا گیا تو نہ ہائی نس کے لئے ایسی کوئی درخواست کرنے کا موقع نہ رہیگا کیونکہ اس وقت صوبہ کی قسمت کا یہ فیصلہ پہلے ہی پٹر کے ذریعہ ہو چکا ہوگا پھر نہ ہائی نس نے پوچھا کہ آیا موجودہ حالات میں اس کا کوئی امکان ہے کہ برار ان کو واپس دیدیا جائے؟ میں نے جواب دیا کہ معاہدہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے استرداد پر کار کا تقویٰ کیا جاسکے یا جس سے حیدر آباد کو استرداد کا کوئی حق پہنچتا ہو..... برٹش گورنٹ کیلئے مجوزہ شرائط کا بدل اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس دہی تفویض پر قائم ہے جو پہلے ہی سے اس کے معاہدہ اس کو حاصل ہے تب نہ ہائی نس نے کہا کہ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے برار واپس ملنے کا بگڑی امکان نہیں ہے لہذا مجھے مجوزہ دہی پٹر کچھ دینے میں کوئی تامل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ریاست کے مفاد کے لئے زیادہ اچھا ہے اب تک میں اس کو صرف اس لئے نامنظور کر رہا تھا کہ میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ آئندہ مجھے برار واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے“

خود اعلیٰ حضرت مرحوم نے بھی اس ملاقات کی کیفیت لکھتے ہوئے اپنے نوٹس میں صاف لکھا ہے کہ ۲۔

وائس لائے نے مجھ سے دوبارہ مبارکباد کہا کہ برار کبھی واپس نہیں دیا جاسکتا نہ رکنسٹی نے کہا کہ میں یورپائی نس کو کسی غلط اسید میں نہیں رکھنا چاہتا

میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ محض میری ہی نہیں بلکہ تمام وائسرایوں کی جو میرے بعد آئیں گے یہی پالیسی ہوگی اور انگلستان میں بھی حکومت کی یہی پالیسی ہوگی جو کہ برائے کبھی نئی مائیں میں اپن نہ کیا جائے۔ وائسرائے کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ گذشتہ ۲۵ سال کے درمیان برار کی واپسی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی اس لئے اب یہ ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اسے واپس حاصل کر سکیں اور اب ہمیں اسکی واپسی کی کوئی امید نہ کرنی چاہئے نہ کہ اسکی نے بیان کیا کہ اگر موجودہ صورت حال برقرار رکھی گئی تو اس سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، جب برار کو واپس کرنا ناممکن ہے تو موجودہ حالت کو برقرار رکھنا خلاف عقل ہے اس سے بہتر ہے کہ اس کو پٹر پر دیدیا جائے اور اس کے عوض سال بہ سال روپیہ لے لیا جائے، تاہم میں نے کوشش کی جہاں تک میں کر سکتا تھا کہ واپسی پر اصرار کروں مگر وائسرائے کے جواب کا انداز دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سکو برار واپس نہیں دینگے۔ یہ پچھلی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم کو اس صوبہ سے ہاتھ دھونا پڑا، اس وقت میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر یہ صورت ہے تو اسے پٹر پر لے لیجئے۔

فریقین کے ان بیانات کو پڑھ لینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے نے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان سے برٹش گورنمنٹ کو

برار کی دوامی تفویض (Perpetual assignment) پہلے

سے حاصل ہے اور نظام کا حق استرداد ان معاہدات کی رو سے کلیتہً زائل ہو چکا ہے۔ اگر وائسرائے سابقہ معاہدات کی یہ تعبیر کر کے اعلیٰ حضرت مرحوم کو قطعاً یقین نہ

دلا دیتا کہ برار کے واپس دیئے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے تو خود اُس کے اپنے اعتراف کے مطابق اعلیٰ حضرت مرحوم دوا می بیٹہ کو ہرگز قبول نہ کرتے (۳۱) سابقہ معاہدات اور حکومت برطانیہ کی سرکاری تصریحات کو دیکھتے ہوئے یہ امر بالکل یقینی ہے کہ وائسرائے کی یہ تعمیر بالکل غلط اور سرسراخلاف واقعہ تھی تفویض برار کے پہلے معاہدہ کے وقت حکومت ہند کے ویل مختار کرنل کو نواب ناصر الدولہ مرحوم کو یہ یقین دلایا تھا کہ :-

”اگر نہرائی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع کینٹنٹ کی پرورش کی غرض سے محض اس وقت تک کے لئے تفویض کئے جاسکتے ہیں جب تک انہیں اسکی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ جب (نہرائی نس کے خواہش کرنے پر) یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام ان اضلاع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں“

اس کے بعد ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کو حکومت ہند کی جانب سے یہ یقین دلایا گیا کہ :-
 ”منفوضہ اضلاع کے ایک حصہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے سے حکومت ہند کا مقصد صرف یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ششم کی شرائط کو پورا کرنے کیلئے وہ ایک مادی ضمانت اپنے پاس رکھے گورنمنٹ آف انڈیا نے جس طرح اسکا تمام اضلاع منفوضہ کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی طرح اب بھی وہ اس علاقہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ نہرائی نس کی طرف ہی اپنی ”نسٹ“ میں (Interest) صرف اس وقت تک کیلئے رکھنا چاہتی ہے جب تک

لے دیکھو کرنل لوکارا ملہ مورفہ ۲۴ مئی ۱۸۵۳ء غیر ۱۷ صنیہ خارجہ

کنیٹجٹ رکھی جائے اس سے زیادہ عرصہ کے لئے وہ نہیں رکھنا چاہتی...
..... اور یہ واقعہ ہے کہ نہروائی نس نے مقبوضات کے اس حصہ کا انعقاد

محض عارضی (Temporary only) ہے... جب کبھی ضلع زیر بحث

نظام کو واپس لے جائیں گے تو نہروائی نس ان تمام نوادہ سے متعلق ہو سکیں گے جو برطانی

افسروں کے زیرِ انتظام رہنے کے زمانہ کی ترقیات سے ممکن ہے کہ انہیں پیدا ہوئے

اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۸۶۱ء کو دونوں سلطنتوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کی
واقعہ ۶ میں بصراحت یہ لکھا گیا تھا کہ

”اضلاع واقع براہِ جو پہلے ہی معاہدہ ۱۸۵۳ء کے تحت برٹش گورنمنٹ کو

تفویض کئے جا چکے ہیں معاذِ تعلقات فرما کر کے جو ان میں واقع ہیں اور جو

ان مزید اضلاع متعلقہ کے جو بحالت موجودہ ۱۸۲۵ء کو روپیہ کے حکومت برطانیہ

کی سالانہ آمدنی دینے کے لئے کافی ہوں۔ برٹش گورنمنٹ کے پاس امانت

میں (Interest) رہیں گے تاکہ ان سے حیدرآباد کنیٹجٹ کی

ستھو میں اور اپادیا کی چوتھ اہمیت نام کے خاندان کا سالیانہ اور چند وری

پنشنیں جب کا ذکر عہد نامہ مذکور کی دفعہ ششم میں کیا گیا ہے ادا کی جائیں

اس کے بعد ۵ جنوری ۱۸۶۱ء کو لارڈ کیننگ (والٹر) نے سر جارج

(وزیرِ سہا) کو جو مرسلہ بھیجا تھا اس میں وہ ۱۸۶۱ء کے معاہدہ کی تشریح

ان الفاظ میں کرتا ہے۔

۱۵ دیکھو مٹرننگ ڈسٹریکٹ سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا سر نمبر ۳۸۸۹ صیغہ خارجہ

۱۰۶۔ ایچی سن جلد ۹ صفحہ ۱۰۶

”نظام کو بتایا گیا کہ حکومت ہند ضلع منفوقہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ اپنی ”امانت“ میں رکھنا چاہتی ہے اور ضلع اس وقت تک رکھنا چاہتی ہے جب تک کہ کنٹینٹ دکھی جائے نہ کہ اس سے زیادہ..... ان سے کہا گیا کہ ضلع برابر اب بھی نہر پانی اس کے مقبوضات کا ایک غیر منفعہ بخشہ نہیں۔ اور وہ ان کو اس وقت بہت ماہوا پس کر دیئے جائیں گے جبکہ ان کو متوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ اس قراردادوں کو بدل دیں جبکہ ماتحت کنٹینٹ دکھی گئی ہے۔“

اس کے بعد سر لارڈ جنک کے سپریم طالبات کے جواب میں ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو جو ”آخری اور قطعی“ فیصلہ لارڈ سائبرری نے وزیر ہند ہونے کی حیثیت سے صادر کیا تھا، اس میں بھی یہ تصریح موجود تھی کہ ۷۔

”یہ بالکل ظاہر ہے کہ معاہدہ میں برابر کو قطعی طور پر حوالہ نہیں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ڈلہوری ایسا ہی انتظام چاہتے تھے مگر اس پر نظام کو ایسے اعتراضات تھے جنہو ان کے ذہن سے دور نہیں کیا جاسکتا تھا اور اسے قبول کرنے پر نہیں مجبور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اگر تفویض قطعی ہوتی تو ملکیت بہت جلد تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہو جاتی مگر کوئی انتقال ملکیت وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ علاقہ نظام کے مقبوضات میں ہی طرح شامل رہا۔ جب طے معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے تھا..... اگر نہر پانی اس (جو قسمت تک سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے) امور ملکیت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ یہ خواہش کر سکتے کہ ان تمام حالات پر جو دو لستیں کے درمیان از روئے معاہدہ

ملے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ ہائیڈرو
کی اس درخواست پر غور کرے گی۔“

یہ تمام سرکاری تحریرات اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ برار کی تفویض
”دوامی“ (Perpetual) نہیں تھی جیسا کہ لارڈ کرزن نے ستمبر ۱۹۰۲ء
میں ظاہر کیا بلکہ ”عارضی“ (Temporary) تھی جیسا کہ ۱۸۹۳ء سے
۱۸۹۷ء تک کے ریڈینٹ سے لیکر زیر بندہ تک تمام ذمہ دار افسران متعلق اظہار و اعلان
کرتے رہے تھے یہ دستاویزات لارڈ کرزن کی اس تعبیر کو بھی بالکل غلط ثابت
کرتی ہیں کہ معاہدات میں حضور نظام کے لئے استر واد برار کا کوئی حق محفوظ نہیں
رکھا گیا ہے۔ ”بہر حال اس کے خود وہ دائرے جس نے ۱۸۹۷ء کا معاہدہ طے کیا تھا
اپنے معاہدہ کی یہ تعبیر کرتا ہے کہ برار کی تفویض ایک امانت (Trust)
کے طور پر تھی اور کنٹریبونٹ کی برطرفی کے بعد اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی باقی نہیں
رہتا تھا۔ لارڈ کرزن نے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان کے تحت صرف دو ہی
صورتوں میں عمل کیا جاسکتا تھا ایک یہ کہ برار کا دوامی بیٹہ لکھ دیا جاتا اور دوسرے
یہ کہ تفویض کی موجود وقت صورت کو دواماً جاری رکھا جاتا۔ اسکے سوا تیسری
صورت کو اس نے ناممکن قرار دیا حالانکہ کرنل لو اور لارڈ کیننگ جو ۱۸۹۳ء
اور ۱۸۹۷ء کے معاہدوں کے اصلی بانی تھے انہوں نے صراحت کیسا تھا تیسری
صورت یعنی برار کی دہی کا نہ صرف امکان ظاہر کیا تھا بلکہ ان کے نزدیک رضی
تفویض کو برار کی دہی ہی پر ختم ہونا چاہئے تھا اس معاملہ میں لارڈ کرزن نے ۱۸۹۶ء
کے معاہدہ کی بھی کھلی ہوئی معنوی تحریف کی جس کے اندر بالفاظ صریح یہ لکھا تھا

برابر کی تفویض امانت (Trust) کے طور پر ہے اور لارڈ ساہبری کے صریح وعدہ کو بھی پس پشت ڈال دیا جس میں سرکار نظام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں جب سن بلوغ کو پہنچ کر بیادیت خود عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے تو انہیں پرار کی دایسی کے مسئلہ کو از سر نو چھیڑنے کا حق ہوگا۔ ان تمام سرکاری تنہا دلوں کے خلاف لارڈ کرزن نے معاہدات کی غلط تعبیر کر کے اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو صریح دھوکا دیا اور ایک غلط اور ناجائز اثر ڈال کر انہیں دوا می پٹہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔

(۴) تفویض برار کی اصلی علت یہ تھی کہ کنٹینٹ کی پرورش کیلئے پرنس

گورنمنٹ کو قبول لارڈ کیننگ کے ایک مادی ضمانت (Material

Guarantee) اور قبول ساہبری کے ایک اضمی ضمانت (Territorial

Guarantee) کی ضرورت تھی، اول اول جب اس کا مطالبہ کیا گیا تھا تو

یہی کہا گیا تھا کہ چونکہ کنٹینٹ کی تنخواہیں ٹھیک وقت پر باقاعدگی کے ساتھ

نہیں ملتی اسلئے ہمارے ہاتھ میں ایک متقل درلوی آمدنی (Permanent

Source of Income) ایسا رہنا چاہئے جس سے ہم اس فہم داری کو ادا

کر سکیں چنانچہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کی دفعات نمبر ۶ میں اس تفویض کی اصلی عرض

اسی کو بیان کیا گیا تھا اور دونوں معاہدات کی ترتیب کے وقت یہ یقین

دلایا گیا تھا کہ جب کنٹینٹ کی ضرورت باقی نہ رہے گی تو تفویض منسوخ ہو کر

ملک اس کے اصلی مالک کو واپس کر دیا جائیگا۔ کرنل لونے ۱۸۵۶ء میں کہا تھا کہ

”جب یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت ضرور ہوگی تو

نظام ان صنایع کو لے سکتے ہیں۔

۸۶ء میں لارڈ کیننگ نے کہا تھا کہ ۱۔

”وہ (یعنی صنایع برار) نظام کو اس وقت یہ تہا ہوا پس کر دیئے جائیں
جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ ان قراردادوں کو
بدل دیں جن کے ماتحت کنٹینٹ رکھی گئی ہے۔“

ان سرکاری تصریحات کے مطابق یہ ضروری تھا کہ جب کنٹینٹ کے برقرار
کر دینے پر دونوں حکومتوں کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ ملک جو کنٹینٹ
کی تنخواہوں کے لئے لیا گیا تھا واپس کر دیا جاتا۔ لیکن لارڈ کرزن نے معاہدات
کے اسپرٹ اور الفاظ دونوں کے خلاف یہ کیا کہ جب دونوں سلطنتوں کے
درمیان کنٹینٹ کے برطرف کرنے پر اتفاق ہو گیا تو کنٹینٹ کو توڑ دیا مگر
ملک کو جو کنٹینٹ کی خاطر ضمانت میں لیا گیا تھا واپس کرنے سے صاف
انکار کر دیا۔ لارڈ کرزن خود اپنے نوٹ میں لکھتا ہے کہ ۱۔

”حیدرآباد کنٹینٹ جیسی کہ وہ اس وقت معاہدات کے ماتحت قائم ہے

ایک فضول حسنہجہ اور ناقابل اطمینان شے ہے حیدرآباد کے علاقہ میں جو

فوجیں قیام میں وہ جدید ضروریات سے بالکل رائیں اور ان کا اس

نام سے باقی چہا نہرائی اس کیلئے نفرت انگیز بھی ہے اور بے موقع بھی۔“

۹۰ برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ کنٹینٹ کو ”فضول حسنہجہ“ ناقابل اطمینان

”زائد از ضرورت“ ”نفرت انگیز“ اور ”بے موقع“ تسلیم کیا گیا اور اسکے توڑ دینے پر

سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان اتفاق لگے ہو گیا۔ اس اتفاق رائے

سے اضلاع برار کو بہ تماہوا پس کروینے کے لئے وہ شرط پوری ہو چکی تھی سو ۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ نے مقرر کی تھی مگر لارڈ کرزن نے عقل، منطق، معاهدات اور مواعید سب کے خلاف علت کو فوت کرتے کے بعد بھی محلول کو برقرار رکھا اور کنیجٹ کو توڑ دینے کے باوجود ملک کو اپنے قبضہ میں رکھنے پر اصرار کیا حالانکہ اس سرکار نظام کی طرف سے انگریزی حکومت پر کوئی ایسی ذمہ داری باقی نہ تھی جس کو ادا کرنے کے لئے کل مالک محروسہ کا تیسرا حصہ اس کو دینے کی ضرورت باقی رہتی۔

یہ امور ایسے ہیں کہ جن کی بنیاد پر ۱۹۰۱ء کا یہ معاہدہ قطعاً ناجائز قرار پاتا ہے اور اسکی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں رہتی کہ سلطنت برطانیہ کے واسطے اپنے وفادار دوست کو دھوکہ دیکر اور غلط باتیں باور کر کے لاطینی کی حالت میں ایسی دستاویز پر دستخط حاصل کر لئے جس پر خود واسطے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ ہرگز دستخط نہ کرتا اگر ان معاهدات کے اصلی معانی سے باخبر ہونے دیا جاتا، لارڈ کرزن نے قصداً اعلیٰ حضرت مرحوم سے تنہائی میں یہ معاملہ طے کیا ملازمہام یا کسی اور واقف کار و معاملہ فہم شیر تک کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہ دی اور ان کو ناواقفیت میں بزور و بہ اصرار غلط باتوں کا یقین دلا کر ان کے آبائی ملک کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ ہمیشہ کے لئے ان سے حاصل کر لیا۔

یہ سلوک تھا سلطنت برطانیہ کا اپنے دوست کے ساتھ جس نے چند سال پہلے جوش و فاداری میں ۶ لاکھ روپیہ اسکی اعانت کیلئے پیش کیا تھا مگر ان کے وفاداری کی قدر شناسی کا یہی وہ طریقہ ہو جس پر برطانی قوم فخر کرتی ہے۔

علی حضرت میر عثمان علیخان بہادر کا دو

۱۹۱۱ء میں علی حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ فرمانروائے حال علی حضرت میر عثمان علیخان بہادر مستدارائے سلطنت ہوئے۔ آپ کے زام مور ماتھے میں لینے کے تین ہی سال بعد وہ جنگ عظیم بریابوئی کہ جس میں انگریزی حکومت کیلئے زندگی اور موت کا سول دیش ہو گیا اس نازک وقت میں مسلمانوں کیلئے سلطنت برطانیہ کا وفادار رہنا سب سے زیادہ مشکل تھا، کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جس کے بادشاہ کو تمام مسلمان اپنا امام سمجھتے تھے برطانیہ کے خلاف برسر پیکار تھی اور وہ ممالک اعمال جنگ کی زد میں تھے جن کی تنظیم و تکریم مہر مسلمان کا جزو ایساں تھی لیکن اس موقع پر علی حضرت میر عثمان علیخان بہادر نے سلطنت برطانیہ کے ساتھ وہ وفاداری برنی جو اس سلطنت کے تمام دوستوں کی وفاداری سے زیادہ قیمتی اور خود علی حضرت کے پیشروں کی وفاداریوں پر بھی فائق تھی۔

ایک طرف حضور مدوح نے اپنے اس حلقہ قی و روحانی اثر کو استعمال کیا جو انہیں تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر حاصل تھا، اور مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ یقین کی کہ وہ سلطنت برطانیہ کے مواعید پر بھروسہ کر کے اسکی وفاداری پر ثابت قدم ہیں یہ حلقہ قی و روحانی امداد اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ خود انگریزی سلطنت کے ارباب حل و عقد کو اعتراف ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جن اثرات کے تحت جنگ میں سلطنت کی امداد کی ان میں سب سے زیادہ

حصہ اعلیٰ حضرت نظام دکن کا تھا۔

دوسری طرف اعلیٰ حضرت نے اپنی سلطنت کے تمام ذرائع دولت برطانیہ کیلئے وقف کر دیئے اس سلسلہ میں انہوں نے جو خاص مالی امداد دی اس کی کیفیت ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتی ہے۔

۱۴۶۰۰۰۰۰	قرضہ جنگ میں
۱۸۲۰۹۶۰۰	مکمل جنگ کے لئے بطور امداد
۱۲۴۰۰۰۰۰	میوس دکن ہارس اور امپیریل سروس ٹروپس کے مصارف بحساب لاکھ روپیہ ماہانہ
۱۵۰۰۰۰۰	جنگ کو اختتام تک پہنچانے کے لئے خاص عطیہ
۱۵۰۰۰۰۰	سخت البحر کشتیوں کی مدافعت کے لئے
۳۷۵۰۰۰	شاہ و ملکہ کے اردو اراج کی ۲۵ سالہ یادگار کے موقع پر
۱۰۰۰۰۰۰	پرنس آف ولز ریلیف فنڈ
۱۰۰۰۰۰۰	امپیریل ریلیف فنڈ
۱۳۴۶۰۰	متفرق اعانتیں

اس کے علاوہ دوران جنگ میں سرکار عالی کے تمام کارخانے سامان حرب کی طیاری کے لئے وقف رہے اور چار سال کی مدت میں انہوں نے ۹ لاکھ روپیہ کا سامان سلطنت برطانیہ کیلئے مہیا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی عزیز رعایا کو نہار و نئی کی تعداد میں بھرتی کر کے میدان جنگ میں جانیں قربان کرنے کے لئے بھیجا۔ آغاز جنگ کے اختتام تک دولت آصفیہ کی باضابطہ فوج جنگ کی عملی مدد انجام

۱۶۲
 دیتی رہی اور اس کا خرچ سرکار نظام نے اپنے خزانہ سے دیا حکومت ہند کی شدید
 مالی مشکلات کے زمانہ میں۔ ۵ لاکھ روپے کی چاندی کی بیٹیں مستعار دیکر اس کی
 مالی سلاکھ کو بچال کیا اور اسی طرح کی بیٹیں قیمت اور مخلصانہ اعانتوں کا سلسلہ
 برابر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب ایسی ہی دوستانہ اعانتوں کی
 بدولت یہ سخت وقت سلطنت برطانیہ سے ٹل گیا جس میں اس کا برباد ہو جانا
 کچھ مستبعد نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ علیحضرت کو ان کے ان گراں قدر احسانات کا بدلہ کیا
 ملا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک زبانی جمع خرچ کا تعلق ہے بہت بڑا کھول کے
 احسان شناسی و اعتراف جمیل کا ثبوت دیا گیا۔ علیحضرت کو ”نہراگزا لٹڈیا ٹیڈیا ٹس“
 کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔ انہیں یا روفن دار سلطنت برطانیہ
 (Faithfull ally of the British Govt.) کا لقب عطا کیا گیا۔
 شہنشاہ معظم سے لیکر ولی عہد و افسر کے اور رزیدینٹ تک سب نے متعدد مرتبہ
 ان کو بیٹیں بہا خدمات پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے لیکن جب علی احسان
 شناسی کا وقت آیا تو سلطنت برطانیہ کا رویہ یک سر و مو بھی اسکی روایات
 قدیمہ کے خلاف نہ نکلا۔

علیحضرت کا مطالبہ استرداد پر آر

جنگ عظیم کے کامیاب اختتام کے بعد ہی ہندوستان میں ستیاگرہ، خلافت
 اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہوئیں، جنہوں نے کچھ عرصہ کیلئے عظیم الشان

برٹش انڈین امپائر کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا، ان مازک و پرحیدر سیاسی حالات میں اعلیٰ حضرت نے اپنے حقوق طلب کر کے سلطنت برطانیہ کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرنا اپنی خاندانی شرافت کے خلاف سمجھا اور صرف یہی نہیں کہ حق طلبی سے محروم رہے بلکہ ان وطنی اور اسلامی تحریکات میں بھی سلطنت برطانیہ کو اخلاقی امداد دیتے رہے اور اپنی ریاست میں تحریک خلافت تک کو بند کر دیا جس کی بدولت اعلیٰ حضرت کے متعلق ان کی ملت میں شدید بگمانی پھیل گئیں۔

آخر جب یہ ہنگامہ واضطرار کا دور ختم ہوا اور برٹش گورنمنٹ تمام مندرجہ و بیرونی مشکلات سے نجات پا کر نسبتاً پرسکون حالت میں پہنچی تو اعلیٰ حضرت میر عثمان علی شاہ بہادر نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے کھوئے صوبہ کی واسطی کا مطالبہ کریں اس غرض کے لئے ۲۵ مارچ ۱۹۲۳ء کو حضور مدوح نے لارڈ رڈنگ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے برائے متعلق اپنے دعویٰ وضاحت کے ساتھ پیش فرمائے اور اس کے ساتھ ایک میمورینڈم بھی منسلک کیا جو اعلیٰ حضرت کے دعویٰ کے متعلق تمام دستاویزی شہادتوں پر مشتمل تھا۔ یہ خط جنوری ۱۹۲۴ء کے اواخر میں عام طور پر شائع ہو چکا ہے، اس لئے اسکو نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے، البتہ اختصار کے ساتھ اسکی صولی نجات ذیل میں درج کر دیئے جائیں گے۔

(۱) ۱۹۲۶ء میں پہلی مرتبہ برٹش گورنمنٹ نے دولت آصفیہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ بوقت ضرورت اس کی فوجی امداد کرے گی اور دولت آصفیہ نے اس امداد کے معاوضہ میں شمالی سرکار کا علاقہ برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا تھا۔

(۲) ۱۹۲۸ء میں اسی فوجی امداد کے لئے ایک مستقل فوج حیدر آباد میں رکھی

۱۷۴ گئی اور اس کے لئے ۲۲۱۷۱۰۰ روپیہ کا خرچ دولت آصفیہ کے ذمہ عائد کیا گیا۔
 (۳) ستمبر میں اس امدادی فوج کی مصارف کے لئے دولت آصفیہ سے ایک دوسرا علاقہ لیا گیا جس کی آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ تھی، اس وقت یہ عہد کیا گیا تھا کہ یہ امدادی فوج ان تمام قوتوں کے خلاف ہر وقت استعمال کی جاسکے گی جو دولت آصفیہ کے امن و سکون میں اندر سے یا باہر سے خلل انداز ہوگی۔ نیز اس کو ایسی حالت میں بھی استعمال کیا جاسکے گا جبکہ سرکار نظام کی رعایا میں سے کوئی اس کی اطاعت سے انحراف کرے یا خراج ادا کرنے میں پہلو تہی کرے گا۔
 (۴) اس معاہدہ کے بعد جب سرکار نظام کو اپنی باغی رعایا کی سرکوبی کیلئے فوجی امداد کی ضرورت ہوئی تو اس فوج کی خدمات دینے سے انکار کیا گیا جو ۶۳ لاکھ کا ملک لیکر اسی غرض کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور ایک دوسری فوج اپنی خدمات کو انجام دینے کے لئے قائم کی گئی جس کے لئے مزید ۴۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ نظام کے ذمہ عائد کیا گیا۔

(۵) اس جدید فوج کا قیام نہ کسی معاہدہ پر مبنی تھا نہ اس کیلئے سرکار نظام سے اجازت لیکھی اور نہ برٹش گورنمنٹ کے لئے یہ جائز تھا کہ ان خدمات کا معاوضہ دوبارہ وصول کرتی جن کا معاوضہ وہ پہلے وصول کر چکی تھی مگر صرف یہ ہی نہیں کہ یہ معاوضہ وصول کیا گیا بلکہ سرکار نظام سے فوج کا خرچ وصول کرنے کے باوجود اس کے تمام انتظامات کلیتہً انگریزی رزیدنٹ کے ہاتھ میں رکھے گئے۔

(۶) ستمبر میں اس فوج کے بقایا ۴۳ لاکھ روپیہ (کلدا) سرکار نظام کے ذمہ قرض کے طور پر پھنکالا گیا، حالانکہ ۴ سال تک برٹش گورنمنٹ سکندریہ آباد اور

۱۷۵
 جاننے کی آ بھاری کا محصول بلا کسی حق کے وصول کرتی رہی تھی اور ۳ سال تک اس نے امدادی فوج کو جس کا خرچ وہ پہلے وصول کر چکی تھی۔ مقررہ تعداد سے زائد ۲۵ فیصدی کم تعداد میں رکھا تھا اگر وہ فوجوں سلطنتوں کے مطالبات کا باضابطہ محاسبہ کیا جاتا تو برٹش گورنمنٹ کے ذمہ خود سرکار نظام کا الٹا قرض نکل آتا۔ لیکن برٹش گورنمنٹ نے باوجود یہم مطالبہ کے حساب فہمی کرنے سے اعتراف کیا اور اپنے ۴۴ لاکھ روپے کی کفالت اور آئندہ کے لئے اس ناجائز فوج کے مصلحت کی کفالت میں سرکار نظام سے اس کے ملک کا ایک اور حصہ طلب کیا۔

(۷) نظام اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے لئے راضی نہ تھے مگر کمپنی نے فوجی حملہ کی دھمکی دیکر اور یہ خوف دلا کر کہ ان کی جان اور ان کی سلطنت کی بھی خیر نہیں ہے۔ انہیں اس پر راضی کیا اور اس طرح ضلع برار، دوآبہ رانچور اور دھارسیر کی تفویض عمل میں آئی۔

(۸) ۱۸۵۳ء کا معاہدہ اس صریح مفہمت کے ساتھ ہوا تھا کہ ضلع فقو صرف اس وقت تک برٹش گورنمنٹ کے تصرف میں ہیں گے جب تک سرکار نظام کو ٹیجٹ کی ضرورت رہے گی اور یہ کہ جب سرکار نظام اس فوج کو توڑنے کی خواہش کرے گی تو اسے توڑ دیا جائے گا اور ملک اس کے اصلی مالک کو واپس دیدیا جائیگا۔ ۱۸۶۱ء کے معاہدہ میں اسکی دوبارہ توثیق کی گئی۔

(۹) ۱۸۶۱ء میں جب سرکار نظام کی جانب سے کنٹینٹ کو توڑنے کی خواہش ظاہر کی گئی تو اور ضلع مقوضہ واپس مانگے گئے تو انکا جواب یہ دیا گیا کہ فرانس وہ وقت کی نابالغی کے زمانہ میں ایسے مسائل پر بحث کرنا خالی از وقت نہیں ہے

(۱۰) جب فرمانروائے وقت نے خود عثمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو دائسٹرائے کی زبان سے ان کو پورے زور کے ساتھ یہ یقین دلایا گیا کہ برار کی تفویض عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ اسکی واپسی کا مطالبہ کر لیا اب سرکار نظام کو کوئی حق باقی نہیں رہا اور اس امر کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ برار کبھی واپس نہ دیا جائے گا یہ غلط امور تمام سمجھے عہود و موثوق کے بالکل خلاف باور کر کے ۱۹۱۶ء میں فرمانروائے وقت سے دواچی ٹپہ حاصل کر لیا گیا، اگر ان کو یہ غلط باور نہ کرایا جاتا تو خود دائسٹرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ کبھی اس ٹپہ کو منظور نہ کرتے (۱۱) اگر بالفرض فرمانروائے وقت نے ۱۹۱۶ء کے تصفیہ کو برضا و رغبت قبول کیا تھا تب بھی اس کا جواز مشتبہ ہے کیونکہ ایسا تصفیہ کرنا ان کے آئینی اختیارات سے باہر تھا اور ان حالات میں وہ اپنے ممالک کے کسی حصہ کو جو ان کے پاس انکی رعیت اور ان کے جانشینوں کے لئے امانت کے طور پر تھا غفلت کر دینے کوئی حق نہ رکھتے تھے۔

(۱۲) جبکہ برٹش گورنمنٹ نے معاہدات کرتے وقت سرکار نظام کے لئے برار کے استرداد کا حق صاف طور پر تسلیم کر لیا تھا اور برار کی تفویض کنٹیننٹ کے بقا پر موقوف رکھی گئی تھی تو استحقاق پر بریجنا تصرف قدیم (Prescription) کا قانوناً کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا علاوہ ان میں جس معاملہ میں برطانیہ کی نیک نیتی کا سوال درپیش ہو اس میں تصرف قدیم کے استحقاق کو پیش کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہے جب ۱۸۸۸ء میں سیو کی ریاست بھال کی گئی تھی تب بھی دیتا و انصاف کے مقابلہ میں تصرف قدیم کے استحقاق کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۱۳) پٹہ پر کسی ملک کے دیئے جانے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ پٹہ دار کے ملک میں جذب ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس ملک برار کے پٹہ پر دیئے جانے سے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوستان کے سیاسی و دیوانی نظام میں جذب ہو جائے۔ وہ اب بھی ریاست حیدر آباد کا ایک غیر منفک جزو ہے، مگر ملک آئین سے اس تک جو سیاسی تغیرات ہوئے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف مالی حیثیت سے اہل برار کی دولت غیر براریوں کے تصرف میں آ رہی ہے بلکہ جدید اصلاحات نے سیاسی حیثیت سے بھی ان کو باہر والوں کے تابع کر دیا ہے مثال کے طور پر صوبہ متروہط کی قانون ساز کونسل میں اپنی وہ کمی تعداد کی بناء پر ماتحت پولیشن میں ہیں ان وجوہ و دلائل کو پیش کر کے اعلیٰ حضرت نے اپنے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اس خیال سے کہ کہیں برطانی راج کی برکات سے اہل برار کے محروم ہو جانے کا پرانا عذر پھر نہ پیش کیا جائے، حضور ممدوح نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہ اہل برار کو حکومت میں اس سے زیادہ اشتراک عمل کا موقع دینگے جو اب تک برطانی راج میں ان کو حاصل رہا ہے اور ایک گورنر کے تحت ان کو ذمہ دار حکومت خود اختیاری دیکر داخلی نظم و نسق کے اعتبار سے بالکل آزاد کر دینگے۔

اعلیٰ حضرت کے اس مدلل اور مدبرانہ خط پر دہلی اور لندن میں ٹریس سال تک غور و خوض ہوتا رہا اور اس پر ۱۹۲۵ء کو لارڈ ریڈنگ کی طرف سے اس کا جواب ایک طویل خط میں دیا گیا۔ اس خط کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بنیادی مسائل سے اعراض کرنے کی وہی پرانی پالیسی اختیار کی گئی تھی

جسے لارڈ سائبری نے سربالار جنگ کے جواب میں اختیار کیا تھا مسئلہ برار میں
سب سے پہلا اور اصولی سوال یہ ہے کہ آیا کیٹیجنٹ قائم کرنا اور اس کے مصارف کا
بار سرکار نظام پر ڈالنا جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہ تھا تو وہ قرض جسکی بنیاد پر برار
کی تفویض عمل میں لائی گئی، سرے سے بے بنیاد ہی ٹھہرتا ہے اور ساری عمارت
پیوند خاک ہو جاتی ہے جس پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ برار قائم ہے اس ہم ترین
بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سنہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے معاہدات کے
معنی اور حدود پر بحث کرنا ناگزیر ہے لیکن سائبرس کی طرح لارڈ ریڈنگ نے بھی
اس نکتہ کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور اسے چھوڑ کر اس طرح گزر گئے کہ گویا یہ کوئی قابل
اعتنا شے ہی نہیں ہے اسی طرح دو دہائیوں میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے
معاہدات کی رو سے برار کی تفویض قطعی تھی یا عارضی؟ مطلق تھی یا مقید تھی؟
اگر عارضی اور مقید تھی تو یقیناً لارڈ کرزن نے اسکو قطعی اور مطلق قرار دیکر ان
معاہدات کی غلط تعبیر کی اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو دھوکا دیا لارڈ
ریڈنگ کے جواب میں پہلے نکتہ کی طرح یہ نکتہ بھی چھوڑا رہا اور ان دونوں ابتدائی
مرحلہ کو چھوڑ کر انہوں نے دفعۃً تیسرے اور آخری مرحلہ پر اپنا سارا وزن رکھ دیا
کہ چونکہ وہاں ان کو ذرا سی پادوں رکھنے کی جگہ ملتی تھی۔ ان کے سامنے استدلال کی
بنیاد یہ ہے کہ لارڈ کرزن اور فرمانروائے حیدر آباد کے درمیان سنہ ۱۸۵۷ء میں
جو معاہدہ ہوا تھا وہ برار کی قسمت کا آخری فیصلہ تھا اس کے بعد اس صوبہ
کی قسمت کا سوال دوبارہ نہیں چھیڑا جاسکتا اس کو جائز ثابت کرنے
کے لئے وہ کھتے ہیں کہ:-

”نظام اچھی طرح اس مباحثہ کے لئے تیار تھے جو ان کے اور لارڈ کرزن کے درمیان ہوا تھا۔ وہ خود اپنی مرضی سے تنہا ملاقات کیلئے آئے تھے ان پر وقت کے وقت جواب دینے کے لئے کوئی زور ڈالا نہیں گیا تھا بلکہ انہوں نے خود ایسا کرنا پسند کیا حالانکہ لارڈ کرزن برابر یہ شورہ دیتے رہے کہ وہ پورے غور و فکر کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں اس ملاقات کے بعد بھی ان کو سارے تین مہینہ کا وقفہ مل گیا جو انکی بے مضابطہ منظوری کی باضابطہ تصدیق سے پہلے گذرا تھا۔ انہوں نے یہ باضابطہ تصدیق ایسے الفاظ میں کی جو مجبوری کے خیال کو تقویت دینے کے بجائے اعلیٰ درجہ کی طمانیت کو ظاہر کرتے ہیں اس کے بعد ان کو پچھتر تین مہینے سے زیادہ کی ہمت عہد نامہ پر دستخط ہونے سے پہلے مزید غور کے لئے مل گئی اور آخر میں خود انکی اپنی یادداشت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کی اعلیٰ صورت کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ آئے۔ اس سے لارڈ کرزن کے لئے یہ ثابت کرنا چاہا جائے کہ ان کے عہد نامہ کی دھوکہ اور فریب کا اثر سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ خوب سمجھ کر فرمائے گئے وقت نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ اگر اسے مان بھی لیا جائے کہ اعلیٰ صورت میں مجبوری کا مروجہ اصول چھیننے کے بغیر یہ موقع دیا گیا تھا اور وہ سبب کے لئے خوب تیار ہو چکے اور انہوں نے آخری جواب دینے میں خود ہی جلدی بھی کی تھی۔ تب بھی نفس منہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اعلیٰ سوال یہ ہے کہ جب دائرے نے اتفاق سے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ سابق معاہدات کی رو سے انکو استدعا دیا کہ ان کو کوئی حق نہیں ہے۔ برابر کی تقویض عارضی ملکہ دوامی ہے اور برٹش گورنمنٹ

یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ برابر کو نہ اس وقت اور نہ آئندہ کبھی واپس دینی تو ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کے لئے سوچنے اور سمجھنے کی گنجائش ہی کو منسی باقی رہ گئی تھی لارڈ کرزن نے تو وائسرائے تحکم کے ساتھ استرداد کا دروازہ بند کر کے بعد ان کیلئے صرف دو راستے باقی چھوڑے تھے ایک یہ کہ ۲۵ لاکھ سالانہ کے عوض دوامی پٹہ لکھ دیں۔ دوسرے یہ کہ موجود الوقت صورت برقرار رکھیں جس میں ان کو برابر کی آمدنی میں سے ایک پیسہ بھی ملنے کی توقع نہ تھی۔ وائسرائے نے کہا تھا کہ وہ اپنی دونوں صورتوں میں سے ایک کو اختیار کر سکتے ہیں اور تیسری صورت یعنی استرداد برابر کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایسی حالت میں اگر ان کو سوچنے اور سمجھنے کی جہلت بھی دی گئی تو وہ بے معنی تھی۔ لارڈ کرزن پر ہمارا اعتراض یہیں ہے کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو سوچنے سمجھنے کی جہلت نہیں دی بلکہ اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے عارضی اور مفید تفویض کو دوامی اور مطلق قرار دیا۔ اگر ہمارا یہ اعتراض صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ ۱۹۷۱ء کا معاہدہ غلط اثر کے ماتحت ہوا اور اگر یہ اعتراض مسلم نہیں ہے تو بنایا جائے کہ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۳ء کے عہد ناموں اور ان کے متعلق سرکاری اعلانات کی صحیح تعبیر کیا ہے؟ اس معاملہ میں بھی ایک بنیادی ہول ہے اور اسی سے لارڈ ریڈنگ نے گریز کیا ہے۔

اس طرح لارڈ ریڈنگ نے اصول کو چھوڑ کر تمام تر غیر متعلق اور فروری باتوں تک اپنے جواب کو محدود رکھا اور آخر میں لکھا کہ

”یوراکٹر الشڈنہ ٹائیٹس کا خط اس کے لوجی سمیت میں نے یہ سمجھ کر لیا ہے
آپ کی خواہش تھی نہ جی بی کے سکریٹری آف اسٹیک کو بھیجا تھا۔ چنانچہ
وہ بھی ان تمام نتائج سے متفق ہیں جن تک حکومت تہذیبی ہے، لہذا فیصلہ

جسے میں آپ تک پہنچانے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ہنرمندی کی حکومت کا فیصلہ ہے۔“

اگر لارڈ رڈنگ کا جواب صرف بحث کی حیثیت رکھتا تو چنداں جتنا بھی مگر دستہ بندی سے انہوں نے ایک طرف دعاوی کی تردید میں ناکافی اور پورے دلائل پیش کئے اور بنیادی مسائل پر بحث کرنے سے انکار کیا، اور دوسری طرف اپنے اس جواب کو ”فیصلہ“ کے رنگ میں لکھا اور نہ صرف اسپرٹ سے بلکہ الفاظ سے بھی یہ ظاہر کیا کہ ”یہ فیصلہ“ قطعی ہے یہ غیر معقول پوزیشن کسی طرح قابل اطمینان نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر نے ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کو ایک اور خط لکھا جس میں ان کے تمام دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس مسئلہ پر خصوصیت کی بحث کی کہ ایسے مسائل میں جو دو حلیف طاقتوں کے درمیان تنازع فیہ ہو کسی فریق کو آخری فیصلہ کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے؟ اس کے متعلق حضور ممدوح نے لکھا۔

”حکومت برطانیہ کے ساتھ میرے تعلقات، نظام اور اپنی مملکت کا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اس ہجوئی و دنائی اتحاد کے تابع میں جو میرے اسلاف اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان باہمی احترام دوستی اور اشتراک مصالح کی بنیاد پر ہوا تھا.... بااستثنا، ان مسائل کے جو خارجی طاقتوں اور خارجی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیدرآباد کے نظام اپنی ریاست کے داخلی امور میں ایسے ہی خود مختار رہے ہیں جیسی برٹش گورنمنٹ برٹش انڈیا میں ہے اس استثنا کے ساتھ جس کا ذکر میں نے کیا ہے فریقین نے ہمیشہ بین الحکومتی

مسائل ہیں جو قدرتی طور پر وقتاً فوقتاً ہمسایوں کے درمیان اٹھ کھڑے ہو کر تے ہیں۔ کامل آزادی اور خود مختاری کے ساتھ عمل کیا ہے۔ اب مسئلہ برابر اس استثناء میں نہیں آتا اور نہیں آسکتا کوئی خارجی طاقت یا بیجا اس شخص میں متعلق یا متخل نہیں ہے پس یہ قضیہ دو ایسی حکومتوں کے درمیان قننازع فیہ رہ جاتا ہے جو ایک ہی درجہ کی ہیں اور جن میں سے کوئی کسی کی تابع نہیں ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس درجہ کے دو فریق ایک دوسرے کے دعوای اور تجاویز کو رد کر دینے کی آزادی ضرور رکھتے ہیں مگر برٹش گورنمنٹ کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں یہ پوچھنے سے احتراز نہیں کر سکتا کہ مسئلہ برا میں لفظ ”فیصلہ“ کا استعمال کہاں تک صحیح ہے۔ خارجی امور کو الگ کر کے میں برٹش گورنمنٹ کے ایک حلیف کی حیثیت سے اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ ہر چیز کی حکومت کے اس انکار کو محض ایک ”انکار“ سمجھیں نہ کہ ”فیصلہ“۔۔۔۔۔ میرے مطالبہ استرداد برا کے جواب میں ہر چیز کی گورنمنٹ کا انکار محض اس کی رائے کا اظہار ہو تو سکتا ہے مگر وہ مجھ پر اور میرے خاندان پر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کر سکتا کہ اب اس قہقہہ کو ختم شدہ اور اپنے دعوے کو سہیتہ کے لئے خارج شدہ سمجھ لیا جائے اس قسم کی پابندیاں ایسے حلقہ پر کبھی حاوی نہیں ہو سکتیں جو اپنے عہد ناموں کی شرائط کے ماتحت اس کی پوری آزادی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تجاویز سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔“

آگے چل کر اعلیٰ حضرت نے لارڈ ریڈنگ کے ایک اور غلط طرز تعبیر پر اعتراض

فرمایا ہے۔ لارڈ ریڈنگ نے قضیہ برار کو ایک ایسا قضیہ قرار دیا تھا جس کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

”اس لفظ (یعنی فیصلہ) کا استعمال ایک دوسری قانونی اصطلاح ”امریصل شدہ“

Regudicate کے ساتھ مجھے پھر مجبور کرنا ہے کہ مسئلہ برار

میں فریقین کی اعتباری حیثیت کے متعلق اپنے تصور پر فرید زور دوں.....

..... یور کلسنی یقیناً جانتے ہوئے کہ میرے اسلاف یکے بعد دیگرے (برار کی

دوامی تفویض کی) تجاویز کو رد کرتے رہے ہیں۔ اور ایٹ انڈیا کمپنی اور

اس کے بعد نہر میجسٹری کی گورنمنٹ ”امریصل شدہ“ کا تصور کئے بغیر اپنی تجاویز کو

پیش کرتی اور ان پر اصرار کرتی رہی ہے جس طرح اس وقت اس اصطلاح کا

اطلاق درست نہیں تھا۔ اسی طرح اب بھی جبکہ میں اس مسئلہ کے از سر نو افتتاح

اور اس کے واجبی اور مناسب نقص کی درخواست کر رہا ہوں اس کا اطلاق

دہست نہیں ہے، حلیفوں اور دوستوں کے درمیان اس قسم کے معاملات میں

”امریصل شدہ“ کا عذر کر کے تفتیش اور تجدید تجاویز کا سد باب نہیں کیا جاسکتا

اور نہیں کیا جانا چاہئے۔ یہ قاعدہ تو مقنونوں نے بالکل دوسرے ہی ظروف

و احوال کے لئے وضع کیا تھا، جو ایسے فریقین اور ایسے مسائل سے متعلق

رکھتے ہیں جو نہ تو نہر میجسٹری کی گورنمنٹ اور نظام سے کوئی مشابہت

رکھتے ہیں اور نہ زیر بحث مسئلہ سے کوئی مماثلت۔“

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ فریقین میں سے

کسی ایک کا حج بنجانا، اور محض انکار کی صورت میں بلا دلیل آخری وقطعی فیصلہ

صادر کر دینا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ:-

”قطع نظر اس کے جو میں اوپر لفظ ”فیصلہ“ کے استعمال اور قضیہ برابر پر قاعدہ

”امریض شدہ“ کے متعلق کہہ آیا ہوں، ایک بے ضابطگی بھی جس کو نوٹس میں

لائے بغیر چھوڑ دینا ناممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی نزع دو ایسے

حلیوں کے درمیان پیدا ہو، جو ایک خاص امر تصفیہ طلب میں ایک دوسرے

کی نسبت تابعیت کی پوزیشن نہ رکھتے ہوں تو کیا آخری فیصلہ محض دو

انکار کی صورت میں صادر کرنے کا حق کسی ایک کے لئے محفوظ رہنا چاہئے؟

اس قسم کا ضابطہ عمل تو یہ معنی رکھتا ہے کہ فریقین میں سے ایک جج بھی سبھا

کسی امر متنازع فیہ میں اس طریقہ سے اطمینان بخش تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ جج

اور فریق مقدمہ کا ذات واحد میں اجتماع، ایک ایسا انتظام ہے جو بہت کچھ

قابل طلب چھوڑ دیتا ہے۔ ایک نامور قانون دان اور کنگلٹان کے سابق چیف

جسٹس ہونے کی حیثیت سے یورگلسنی مجھ سے زیادہ اسکی اہمیت رکھتے ہیں کہ

ایسے اجتماع سے بتری کریں۔“

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے لارڈ ریڈنگ کے تمام دلائل کا لفظ بلفظ جواب

دیا تھا۔ آخر میں اپنی طرف سے تصفیہ کی یہ صورت پیش کی تھی کہ:-

۱۔ میں نے اس فقرہ کا مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اصل انگریزی میں جو لطف ہے

اسے اردو میں منتقل کرنا مشکل ہے۔ دیکھئے کس قدر خوب لکھا ہے۔

Judge and Party in one is an arrangement

that leaves much to be Desired

قضیہ برار کے متعلق امور متنازع فیہ کو ایک کمیشن کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اسکی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے اور اس کا صدر ایک ملینڈیا یا وہ اعلیٰ قانونی تجربہ رکھنے والا برطانوی جڈملین ہو جسے وزیر سہنا مزد کریں اور وڈ کے علاوہ اس کے چھ ارکان ہوں ان چھ میں سے دو حکومت سہنڈ کے مافروڈ ہوئے ہوں، دو میرے منتخب کئے ہوئے ہوں، اور دو خود اہل برار کے نمائند ہوں جنہیں صوبہ متوسط کی کونسل، ایلیمینو اسمبلی اور کونسل آف ایلٹ کے غیر سرکاری براری ارکان منتخب کریں۔ اس طرح منتخب کئے ہوئے کمیشن کے لئے مقین مگر وسیع حدود بحث و تفتیش مقرر کئے جائیں تاکہ وہ ان تمام مسائل کی مکمل تحقیقات کرے جنہیں بدتمتی سے ہنزہ جٹی کی گورنمنٹ اور میرے درمیان اختلاف رائے ہے ان حدود کی نقین اس طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت سہنڈ کے شعبہ ریاریات کا ایک افسر اور میرا ایک آدمی یہ دونوں ملکر بحث کر لیں اور اس کے بعد میں اور یوراکسلسٹی امور تنقیح طلب کو با تفاق رائے طے کر لیں اس کمیشن کا پورا خرچ میری حکومت برداشت کرے گی۔

میں نے اس خط کے خاص خاص حصوں کو خود اعلحضرت کے الفاظ میں نقل کیا ہے تاکہ ہر شخص کو پڑھ کر اسکی معقولیت کا خود اندازہ کرے اعلحضرت نے حکومت سہنڈ کی اختیار کی ہوئی غلط پوریشن پر جو اعتراضات کئے تھے انہیں کوئی منصف مزاج اور معقول آدمی ناروا اور بیجا نہیں کہہ سکتا اور امور متنازع فیہ کے تصفیہ کی جو صورت حضور مدوح نے پیش کی تھی وہ بھی نہ صرف معقول و مناسب بلکہ اعلحضرت کی نسبت خود حکومت سہنڈ کے حق میں زیادہ مفید تھی۔ لیکن اس کا

۱۸۶
جو جواب حکومت ہند کے رئیس اعلیٰ نے دیا اس کے متعلق اس سے بہتر کوئی
اظہار رائے نہیں ہو سکتا کہ اس کو خود اسی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔
لاڈر ریڈنگ اپنے ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ :-

”میں یو راکز الٹڈ ہائیٹس کی پیروی میں اس قضیہ کی تاریخی تفصیلات پہ
بحث کرنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ کو اپنے پہلے خط میں اطلاع دے چکا ہوں
آپ کے پیش کردہ امور کی پوری توجہ کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی گئی ہے اور
اب جو کچھ آپ فرماتے ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو میری غور
اور وزیر ہند کے اخذ کردہ نتائج پر اثر انداز ہوگی ہو.....

”آپ نے بیان کیا ہے کہ حیدر آباد کے داخلی امور میں آپ فرمانروا
ریاست حیدر آباد ہونے کی حیثیت سے دہی درجہ رکھتے ہیں جو برٹش گورنمنٹ
کو جہاں تک برطانیہ ہند کے داخلی امور کا تعلق ہے اس ہندوستان میں حاصل ہے
..... یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یو راکز الٹڈ ہائیٹس اپنے اور دولت

عالیہ (Paramount Power) کے تعلقات کے متعلق ایک

غلط تصور رکھتے ہیں جسے دور کرنا ہمارا پیریل مل جمعی کا تادمہ ہونے کی حیثیت سے
مجھے پورا نام ہے کہ کیونکہ اس وقت ایک ایسے مسئلہ میں غامبی کو ممکن ہے کہ بعد میں
اس غم کے تسلیم کر لینے کا ہم بھی قرار دیا جائے آپ نے پیش کیا ہے تلج برٹا
کی ریاست ہندوستان میں سب سے برتر ہے اور اس بنا پر کوئی والی ریاست برٹش گورنمنٹ
کے سامنے نہ طریق پر گفت و شنید کرنے کا دعویٰ کرنے میں حق بنجا حق ہو سکتا
تلج کی برتری صرف معاملات اور تہا محاجات ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ اس

بے نیاز ہو کر بھی قائم ہے۔ خارجی دولت اور سیاست سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اس کے خصوصی اختیارات سے قطع نظر، برٹش گورنمنٹ کا حق اور فرض ہے کہ بحزم و احتیاط ان تمام عہود و مواثیق کا احترام کرتے ہوئے جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ان اور حسن انتظام کو برقرار رکھے اس سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ اتنے معروف ہیں، اور دوسرے والیان ریاست کی طرح یو راکن الٹنڈ ہائی ٹنس پر بھی ان کا اطلاق اتنا روشن ہے کہ ان کو بیان کرنا مشکل ہی سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اگر توضیح کی ضرورت ہو تو میں یو راکن الٹنڈ ہائی ٹنس کی یاد دلاؤں گا کہ ۱۸۵۷ء میں دوسرے والیان ریاست کی طرح فرائز و حیدر آباد کو بھی ایک سند دی گئی تھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور انکی حکومت کے بقا، کی خواہشمند ہے بشرطیکہ وہ تاج کے وفادار رہیں اور یہ کہ مندرجہ آباد پر کسی کی جانشینی ہر وقت تک جائز نہ ہوگی۔ جب تک نہر مسیحیٹی شہنشاہ معظم کو منظور کر لیں نیز جانشینی کے مسئلہ میں اگر کوئی نزاع برپا ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کا فیصلہ کرے گی۔

دوسری ریاستوں کے اندرونی معاملات میں برٹش گورنمنٹ کا حق خلعت ان نتائج کی ایک دوسری مثال ہے جو برطانی تاج کی برتری کو لازمی طور پر مستقمن ہیں فی الواقع برٹش گورنمنٹ نے بارہا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ شدید وجوہ کے بغیر اس حق کو استعمال کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی مگر وہ داخلی اور خارجی تحفظ جس سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں اسے بجا کا

برٹش گورنمنٹ ہی کی محافظت کے باعث انہیں حاصل ہے اور جہاں کہیں شاہی مفاد کا تعلق ہو یا کسی ریاست کے طرز عمل سے اس کے باشندوں کی فلاح و بہبود پر واقعی اور شدید مصرت رساں اثر پڑ رہا ہو تو حسب ضرورت اس کا تذکرہ کرنے کی ذمہ داری آخر میں بالآخر قوت ہی پر عائد ہونی چاہئے اندرونی حاکمیت (Sovereignty) کے وہ تمام مدارج جن سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں سب کے سب بالآخر قوت ہی کی جانب سے اس مداخلت کی مناسب انجام دہی کے ساتھ مقید ہیں اس پر ایسی ہی دوسری مثالوں کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے جو مذکورہ بالا مثالوں سے کچھ کم آپ کی اس رائے کی تھلیل نہیں کرتیں کہ باستثنائے امور متعلق بدول و سیاست خارجیہ یوراکز الٹڈ ہائیٹس کی حکومت اور برٹش گورنمنٹ ایک ہی درجہ مساوات پر قائم ہیں مگر میں اس موضوع پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس ہر یہ اضافہ کروں گا کہ یوراکز الٹڈ ہائیٹس کو جو ”یار و فادار“ کا خطاب حاصل ہے اس کا یہ اثر نہیں ہے کہ تلج برطانیہ کی سیادت میں اپنی گورنمنٹ کو دوسری ریاستوں سے کوئی جداگانہ حیثیت حاصل ہو۔“

آپ نے حیدرآباد اور دولت عالیہ کے تعلقات کے متعلق اپنے موجودہ تصور کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہرنچہٹی کی گورنمنٹ جن نتائج پر پہنچی ہے ان کو لفظ ”فیصلہ“ سے تعبیر کرنے میں اس نے غلطی کی ہے نیز کہ قاعدہ ”انفیل شد“ کا اطلاق حیدرآباد اور حکومت سندھ کے مابین اسی امور میں درست نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یوراکز الٹڈ ہائیٹس کی اس

رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ آپ کے پیش کردہ امور کے متعلق وزیر ہند کے احکام ایک فیصلہ کی حد تک نہیں پہنچتے، یہ دولت عالیہ کا حق اور امتیازی حق ہے کہ وہ تمام ان نزاعات کا فیصلہ کرے جو دو ریاستوں کے درمیان یا خود اس کے اوکسی ریاست کے درمیان پیدا ہوں اگرچہ خاص خاص حالات میں ایک عدالت ثالثی بھی مقرر کی جاسکتی ہے مگر اس عدالت کا کام بھی فخر اتنا ہی ہے کہ حکومت ہند کو آزادانہ مشورہ دے باقی رہا فیصلہ تو اس کا حق حکومت ہند ہی کو حاصل رہے گا۔

رہا اصطلاح ”فیصل شدہ“ کا استعمال تو یہ میں بھی جانتا ہوں کہ حکومت ہند کے لئے کسی عدالت دیوانی کی طرح اسکی ممانعت نہیں ہے کسی ایسے مسئلہ کی سماعت کرے جو پہلے کسی فیصلہ کا موضوع بن چکا ہو مگر ”فیصل شدہ“ کا قانونی اصول ٹھوس علی المحومات کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک ایسے مسئلہ کو جس کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو بار بار انہیں فریقین کے درمیان زیر بحث لانا کسی طرح مرغوب نہیں ہے۔ اب میں آپ کی اس درخواست کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ قبضہ برائے کی تحقیقات اور اس پر رپورٹ کرنے کے لئے نکلش مقرر کیا جائے۔

یوراکٹر الشڈائی اس خود بھی جانتے ہیں کہ اب سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے حکومت ہند نے ایسے مسائل میں عدالت ثالثی مقرر کرنے کے لئے ایک قانون عدہ مقرر کیا ہے جنہیں کوئی ریاست حکومت ہند کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو لیکن اگر آپ اس تحریر کو ملاحظہ کریں گے جو اس جدید انتظام پر مشتمل ہے تو آپ

دیکھیں گے اس میں کوئی ایسی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے جسکی رو سے ایسے مقدمات میں بھی عدالت ثالثی مقرر کی جاسکتی ہو جن میں خود پٹریجی کی گورنمنٹ نے فیصلہ صادر کیا ہو، میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ایک ایسا مقدمہ جیسا کہ یہ ہے جس میں ایک پانی نزاع کا خاتمہ ایک سمجھوتہ کے ذریعہ کیا جا چکا ہے اور وہ سمجھوتہ بھی پورے غور و خوض کے بعد ایسی شرائط پر ہوا ہے جو اہم و پاک میں ثالثی کی غرض سے پیش کرنے کے لئے عوزوں ہو سکتا ہے۔

میں نے چند غیر ضروری تقریروں کو حذف کر کے یہ پورا خط لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے تاکہ ہر شخص خود اس کو پڑھ کر رائے قائم کر سکے۔ اس میں لارڈ ریڈنگ نے برار کے اصلی مقدمہ کو اس کے تمام قانونی اور واقعی نکات سمیت نظر انداز کر کے صرف اس امر پر زور دیا ہے کہ برٹش گورنمنٹ بالادست ہے اور ولت آصفیہ زیر دست، اس لئے اگر بالادست نے زیر دست کا ملک جبر سے یا حیلہ سے یا کسی طرح چھین لیا تو اب زیر دست کو یہ حق باقی نہیں رہا کہ اس سے کسی دلیل و حجت کا مطالبہ کرے یا اپنے دعوے استحقاق کو پیش کر کے اس پر بحث کرے یا کسی عدالت ثالثی کے ذریعے انصاف کرانے کی کوشش کرے بالادست کو حق ہے کہ بالادلیل اپنی تائید میں خود فیصلہ صادر کر دے۔ اور زیر دست کا فرض ہے کہ خواہ وہ مطمئن ہو یا نہ ہو بہر صورت اس فیصلہ کو شکردم بخود رہ جائے لارڈ ریڈنگ نے دولت آصفیہ کو ایک تحت حکومت نہایت کرنے کے لئے جو طریق استدلال اختیار کیا ہے اس پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اسکی کمزوری تو اسی سے ظاہر ہے کہ تمام معاملات و تہہ ناجات میں

۱۹۱
 ان کو صرف ایک سلسلہ کی سند مل سکی ہے جس کو کھینچ کر ان کے شکل میں یہ معنی پہنچا
 جاسکتے ہیں کہ داخلی امور میں بھی دولت آصفیہ سلطنت برطانیہ کی تابع ہے حالانکہ
 سلسلہ کا معاہدہ جس پر دو تین کے موجودہ تعلقات قائم ہیں اسکی صاف
 تردید کر رہا ہے تاہم اگر قحطوری دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ دولت آصفیہ
 خارجی امور کی طرح داخلی امور میں بھی سلطنت برطانیہ کی تابع ہے۔ تب بھی یہ
 سوال جوں کا توں رہتا ہے کہ حقوق کے متعلق تنازع فیہ امور میں بالائری
 وطاقتوری کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرنا اور فیصلہ بھی اس طرح کہ بحث و استدلال
 کا دروازہ بند کر کے سادہ اور خالص دو انکار کی شکل میں جواب دیدیا جائے
 کہاں تک جائز معقول اور اطمینان بخش ہو سکتا ہے اس چیز کو خواہ کتنے ہی
 بیچ در بیچ اور وکیلانہ انداز بیان میں پیش کیا جائے مگر کوئی صاحب عقل
 آدمی اتنی موٹی سی بات سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا کہ حق اور انصاف کے
 معاملہ میں نہ بالادستی استحقاق کی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ زبردستی عدم استحقاق
 کی اور خصوصیت کے ساتھ ایسا مقدمہ جس میں مدعی کی شکایات اتنی قوی اتنی
 مدلل اور اتنی معقول ہوں کہ بھی اس طرح طے نہیں ہو سکتا کہ بحث و تفتیش تحقیقات
 کچھ نہ ہو اور مدعی علیہ صرف یہ دوحرفی حکم صادر کر دے کہ مدعی کا دعویٰ
 خارج اگر بغرض محال یہ درست ہے کہ دولت آصفیہ حکومت برطانیہ کے
 مقابلہ میں ایک تابعانہ حیثیت رکھتی ہے تب بھی اسکی تابعیت برطانیہ ہند
 کے رعایا سے زیادہ ادنیٰ تو نہیں ہے پھر برطانیہ رعایا کو حکومت کے خلاف
 عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حق ہے اور انگریزی عدالتوں میں

رات دن "تاج" کے خلاف دعوے ہوتے رہتے ہیں تو کیا سلطنتِ اصفیہ کا تاجدار برطانوی رعایا کے معمولی افراد سے بھی گیا گذر ہے کہ اس کو ایک آزاد اور غیر جانبدار کمیشن کے ذریعہ اپنی شکایات کے متعلق تحقیقات کرنے کا حق بھی نہیں مل سکتا؟ فصل حضومات اور تصفیہ نزاعات کا یہ تو کوئی بھی محقول طریقہ نہیں ہے کہ پہلے ملک پر عارضی قبضہ کیا جائے اس دلیل سے کہ اگر نہ دو گے تو پونا کی دو رجمنٹیں تم پر حملہ کر دیگی پھر اس عارضی قبضہ پر دوامی تسلط کا پٹہ چل گیا جائے اس حجت سے کہ ملک تو تمہیں بہر صورت واپس نہ ملے گا، البتہ اگر تم دوامی پٹہ نہ کھو گے تو اب تک اس میں سے جو تھوڑا بہت تمہیں ملتا رہا ہے وہ بھی بند ہو جائے گا، پھر جب اصل حقدار اس ناجائز طریق ملک گیری پر اعتراض کر کے اپنے جائز و عادی پیش کرے تو اس کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا جائے کہ ہماری قوت تم سے بالاتر ہے اور ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تمہارے ملک کو واپس نہ کر س گے اس لئے تم کو یہ فیصلہ بے چوں و چرا تسلیم کرنا چاہئے! یہ طریقہ برسرِ جنگ دشمنوں کے ساتھ اختیار کیا جائے تو چند قابلِ تعجب نہیں مگر دوستوں کے ساتھ اور دوست بھی وہ جو مصیبت کے وقت جان کی جان اور روپے کی جگہ روپیہ قربان کرنے میں دریغ نہ کرتے ہوں اسے استعمال کرنا حق و انصاف ہی کا نہیں بلکہ انسانیّت و شرافت کا بھی خون کرنا ہے۔

سلطنتِ برطانیہ خود بھی اپنے اس جواب کی غیر معقولیت کو سمجھتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ علیحضرت میر عثمان علیجاں جیسے مضبوط اور بیدار مغز فرزند کو

ایسے جوابات سے خاموش کرنا مشکل ہے اس لئے اس نے انکے دعوے کو رد کرنے کے ساتھ ہی انہیں خاموش کرنے کا بالواسطہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ علیحدگی کیلئے خود ان کے ملک میں داخلی مشکلات پیدا کرنی شروع کر دیں، وہی دولتِ اقصیہ جو اکتوبر ۱۹۲۳ء سے پہلے تک تمام تقاضے سے مبرا تھی، اور جسے نومبر ۱۹۲۳ء میں خود لارڈ رڈنگ نے یہ سرٹیفکیٹ عطا کیا تھا کہ اس کا نظم و نسق نہایت عمدہ اور قابلِ اطمینان ہے۔ استردادِ برابر کا مطالبہ کرتے ہی اس میں ہزاروں عیوب نکلنے شروع ہو گئے۔ اس کی رعایا سے اس کے جاگیرداروں سے اسکے امراء و اعیان سلطنت سے اسکی پائیکا ہوں سے غرض اسکی رعیت کے تمام طبقوں سے برٹش گورنمنٹ کو گہری سہار دی پیدا ہو گئی اس کے فرمانروا کے انتظامی محالاً ہی انہیں بلکہ ذاتی معاملات تک نکتہ بینی و حرف گیری کے قابل ہو گئے اور اس امر کی شدید ضرورت پیش آگئی کہ دولتِ عالیہ اس کے داخلی امور کی اصلاح کے لئے مداخلت کرے، استردادِ برابر کا مطالبہ کرنے سے پہلے تک ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی وہاں نہ تھی اور اصلاحِ امور کے لئے مداخلت کرنا بھی برٹش گورنمنٹ کے فرائض سے خارج تھا لیکن یہ مطالبہ کچھ ایسا منحوس نکلا کہ اخصتر میر عثمان علیخان کی زبان سے اس کے نکلنے ہی دفعۃً ہزاروں خرابیوں اور سنگین عیوب کا دروازہ کھل گیا اور بیچاری حکومتِ برطانیہ پر اس مطالبہ کو رد کرنے کے ساتھ ہی بیسیوں ایسے فرائض کا بار آنا پڑا جن سے وہ پہلے بالکل سبکدوش تھی یہ ڈھنگ اس جن سے حتیٰ طلبوں کا منہ بند کیا جاتا ہے اور بالاد شکر زیر دستوں سے اپنے فیصلے منہوائے جاتے ہیں۔

ڈیڑھ صدی کے تعلقات پر ایک نظر

انگریزی حکومت کے ساتھ فرانز وایان سلطنت آصفیہ کے ابتدائی تعلق سولیکر جدید ترین عہد تک ڈیڑھ صدی سے زائد مدت میں دونوں سلطنتوں کے سیاسی تعلقات کا جو حال رہا ہے اس کو خود انگریزی ذرائع اور زیادہ تر معتبر و مستند سرکاری ریکارڈز کے حوالے سے ان صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے اس طویل تاریخی داستان کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے اگر اس کا ایک اجمالی خلاصہ لکھا جائے تو وہ ایک جملہ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ۔

”دولت آصفیہ کی جانب سے ہمیشہ وفاداری اور احسان کا براؤ کیا گیا اور دولت برطانیہ کی جانب سے اس کا جواب ہمیشہ بیوفائی اور

محسن کشی کی شکل میں دیا گیا۔“

مسلکِ اعداء سے یکسر متسللہ اگر تک دونوں کے سیاسی تعلقات کی پوری تاریخ کو پڑھ جائے آپ دیکھیں گے کہ سلطنت برطانیہ پر کوئی نازک وقت ایسا نہیں آیا ہے جس میں دولت آصفیہ نے جان و مال سے اس کی مدد نہ کی ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی سمجھی ایسا نہیں ہوا کہ دولت آصفیہ کے احسانات کا بدلہ اس کو نقصان پہنچا کر نہ دیا گیا ہو۔ نوآبادیہ نظام علیجاں نے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے خلاف انگریزوں کی مدد کی اور اپنی مملکت کی پانچ شمالی سرکاریں اور کٹر پہ اور ملاری کے علاقہ میں ان کی مدد کی مگر اس کا بدلہ یہ ملا کہ ان کی فوج کے بہترین حصہ کو زبردستی منتشر کیا گیا اور مرہٹوں کے ہاتھوں

ان کی سلطنت کو پامال ہوتے دیکھ کر انگریزوں نے اپنی جگہ سے جنبش تاک نہ کی۔ اس کے بعد نواب سکندر جاہ نے پہلی اور دوسری جنگ مرہٹہ میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریزوں نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ انکو خود ان کی مملکت میں بے بس کر دیا اور ان کے ملازموں سے ساز باز کر کے ان کی مملکت کے لئے ہلاکت و بربادی کے تمام سامان ہتھیار کر دیئے۔ نواب ناصر الدولہ نے خود اپنے بھائی مبارزالدولہ کو جب کہ ان پر دہائی سازش کا الزام لگایا گیا تھا، قید کیا، ۱۸۳۵ء اور ۱۸۳۶ء اور ۱۸۳۹ء میں کر نول اور گومسور وغیرہ کے خلاف فوجی امداد دی اور انگریزی حکومت کے ناجائز مطالبات پر بے چوں و چرا لاکھوں روپیہ کنٹریبٹ کے لئے دیا، مگر اس سلوک کے عوض فوجی دھمکی دے کر ان سے ان کی پوری ریاست کا تیسرا حصہ زبردستی حاصل کر لیا گیا، نواب فضل الدولہ اور ان کے وزیر سالار جنگ نے غدر کے ہنگامہ میں انگریزوں کی ایسی اعانت کی جس پر خود وزیر مہند نے انکو وفاداروں کی فہرست میں سب سے اوپر رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس وفاداری کی یہ قدر کی گئی کہ اسٹراڈبرار کے لئے ان کے جائز مطالبات کو پیہم ٹھکرایا گیا اور آخر میں سالار جنگ کو گرفتاری تک کی دھمکی دیکر زبردستی خاموش کیا گیا۔ نواب میر محبوب علی شاہ مرحوم نے مصر و افغانستان اور روس کے خلاف مالی اور فوجی امداد پیش کی اور تمام عمر انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرتے رہے مگر ان کو اس کا یہ انعام دیا گیا کہ جب شدید مالی مشکلات میں مبتلا تھے تو ان کو برار کے منافع سے محروم کر کے اور معاہدات مواعدہ

۱۹۶

خلافت استر واد برار سے مایوس کر کے ان سے برار کا دوامی پٹہ حاصل کیا گیا آخر میں اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی شاہ نے جنگ عظیم میں برطانی سلطنت کے تمام غیر برطانی دوستوں سے زیادہ اکی مائی اور فوجی اعانت کی اور موت و زلیلت کی کشمکش میں اس کا ماتہ بٹایا۔ مگر جب وہ سخت وقت گذر گیا تو ان کے احسانات کا بدلہ یہ دیا گیا کہ برار کے مسک میں ان مطالبات کو سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا۔ اور اس حق طلبی کی پاداش میں ان کے لئے طرح طرح کی داخلی مشکلات پیدا کرنے کا سامان کیا جاتا رہا ہے۔

اس ایک طرف دوستی کی داستان پر اس سے بہتر تبصرہ ہمیں ہو سکتا جو آج سے بہت عرصہ پہلے خود ایک انگلوانڈین اخبار ٹائمز آف انڈیا کرچکا وہ لکھتا ہے کہ:-

”نظام دکن کے ساتھ ہمارے تعلقات اس زمانہ سے جبکہ ہم نے ایک محافظ قوت کی حیثیت اختیار کی موجودہ اور زیادہ روشن زمانہ تک ایسے ہے ہیں کہ ان کی تاریخ ہر شخص کو جو ہماری قومی سیرت اور دیسی دماغ پر اس اثر کو خوب تر دیکھنے کا حوصلہ ہو۔ رنج و افسوس کے ساتھ پڑھنی چاہئے ہم نے ظاہر تو یہ کیا کہ نظام کے مقبوضات کو خارجی دست برد اور داخلی انتشار سے بچائیں گے۔ ان کی سلامتی کے ضامن رہیں گے۔ اور انکی حالت کو درست کریں گے۔ مگر ہم نے کیا یہ کہ ان کی سلطنت کے صوبے پر صوبے ہضم کرتے چلے گئے۔ درحقیقت ہم نے نظام کو مجبور کر کے اسی ملک کے اقطاع ان سے جبراً حاصل کئے جس کی حفاظت کی ذمہ داری

لیکیر ہم اس کا معاوضہ بھی وصول کر چکے تھے۔ حیدر آباد کے لئے ہماری حمایت بجائے اس کے کہ تحفظ کی ضمانت ہوتی الٹی قطع دیرید اور دست برد کا ذریعہ بن گئی۔ ایسی حالت میں اسکو حمایت سے موسوم کرنا اس لفظ کا بے محل استعمال ہے۔ ایک سلطنت کا دوسری سلطنت کو اپنی حفاظت میں لینا اور پھر اس حفاظت کے معاوضہ میں اس کے بڑے بڑے اقتلاع کو کیے بعد دیگرے سلب کرتے رہنا تا آنکہ وہ ”محفوظ“ سلطنت گھٹتے گھٹتے اپنی سابقہ عظمت و وسعت کا محض ایک شائبہ رہ جائے اور محافظ سلطنت اپنے مقبوضات میں اضافہ کرتی چلی جائے ایک ایسی حرکت جس کو لفظ حمایت و حفاظت سے تعبیر کرنا انتہا درجہ کی لغویت ہے اگر یہ نتائج اس نوع کے سیاسی تعلق کے ساتھ ناگزیر ہیں تو ایسی حالت میں اس حمایت کو مفید سمجھنا تو درکنار ہم کہیں گے کہ وہ کھلم کھلا دشمنی سے کچھ کم ہولناک نہیں ہے۔ اگر ہم نظام کو علانیہ جنگ میں شکست دیتے اور فاتح کی حیثیت سے شرائط صلح پیش کرتے تو تو وسیع مملکت کے سلسلہ میں خواہ وہ کامل الحاق کی شکل میں ہوتی یا ارض مفتوحہ کے فوجی اختلال کی صورت میں ہم کو شاید اس سے زیادہ ملک ہاتھ نہ آتا جتنا ہم نے دوستی کے خوشی آئینہ منظر ہرہ اور پُر فریب حمایت و حفاظت کے پردہ میں حاصل کر لیا۔“

یہ تبصرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا کہ آج سے ۵۰ برس پہلے تھا۔

اس تاریخی داستان کو دہرانے سے مقصود نہیں ہے کہ جو کچھ زمانہ سابق میں ہوتا رہا ہے، وہی اب بھی ہوتا رہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ سابق میں جو غلطیاں کی گئی ہیں انہیں بیان کر کے ان کے نتائج سے آگاہ کیا جائے اور ان کی تلافی کا مشورہ دیا جائے۔ تاریخ اس لئے نہیں ہے کہ اسکی پیروی کی جائے بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔ اگر کوئی قوم ڈیڑھ سو برس سے حماقتیں اور غلطیاں کر رہی ہو تو ان کے اعادہ کا نتیجہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ انہی ڈگریاں اور زیادہ اصرار کے ساتھ چلتی ہے۔ اگر حقیقت یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے وہ افعال غلط اور غیر معقول تھے تو ہر فرد و مسند انسان کے نزدیک اس کا نتیجہ صرف یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ کیلئے وہ ان سے اجتناب کرے جہاں تک ممکن ہو کھلے دل سے انکی تلافی کرے اور عقل صحیح کی روشنی میں اپنے لئے ایک نئی اور زیادہ بہتر پالیسی اختیار کرے اس طویل مضمون کی تحریر سے میرا مقصد بھی یہی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے مدیرین کو یہ مشورہ دوں کہ ایک مرتبہ وہ اپنے گزشتہ نامہ اعمال پر ایماندار کے ساتھ ایک نگاہ ڈال لیں اور خود اپنے دل سے یہ سوال کریں کہ کیا دونوں اور وفاداروں سے یہی سلوک کیا جانا چاہئے کیا کوئی قوم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ یہ امید کر سکتی ہے کہ کسی نازک وقت میں کوئی اسکی مدد کرے گا؟ کیا اس طرز عمل سے کوئی قوم اپنے دوستوں کی تعداد میں اضافہ اور دشمنوں کی تعداد میں تخفیف کر سکتی ہے؟ اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہو کہ اس قسم کے برتاؤ سے کوئی قوم دوسری قوموں کی وفاداری، اخلاص اور

۱۹۹
 محبت کو خرید سکتی ہے؟ اگر اہل برطانیہ کی عقل کا اس حد تک دیوالہ نکل چکا ہے کہ
 ان سوالات کا جواب اثبات میں دے تو وہ شوق سے اسی ٹیڑھے راستے پر چلتے
 رہیں جس پر چلتے رہے ہیں۔ اور اپنی آنکھوں سے اس انجام کو دیکھنے کے لئے تیار
 رہیں جو ایسی حرکات کا قدرتی نتیجہ ہے، لیکن اگر برطانی قوم میں فی الواقع
 کچھ ایسے صحیح الفکر ارباب نظر موجود ہیں جو اپنی سلطنت کی غلط پالیسی
 کے نتائج سمجھ سکتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اس پالیسی پر نظر ثانی کریں،
 اور اپنے دوستوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو انعام و اکرام نہ سہی حق و انصاف
 سے جوڑ کر اس وفاداری کا اپنے آپ کو جائز مستحق بنائیں جو ان کے لئے
 بڑے بڑے نازک اوقات میں حد درجہ قیمتی ثابت ہوئی ہے۔



ہدایہ

مقابل کے صفحات ناظرین کو ہر سیمہ پیش کرنے کے لئے چھپوا
جا چکے تھے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ارزاہ عننا
انہیں ضخیمہ کتاب بنانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔
اب یہ معاہدہ جو تکمیل کتاب کے لئے ضروری ہے
بطور ضخیمہ اصل کتاب کے ساتھ پیش ہے۔

ناشران

سید علی شبر حائمی۔ بی۔ یس۔ سی۔ عننا
چوہدری محمد اقبال سلیم گاہن درنی

مُعَاہِدَہٴ پَرَار

۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

گزارش

ہم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی مشہور و معروف تالیف
 ”دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ“ کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ یہ کتاب
 مولانا نے ۱۹۲۵ء میں تالیف فرمائی تھی اور اسی وقت یہ شائع ہوئی تھی۔
 چونکہ مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اور
 دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین جو معاہدہ ۱۹۳۶ء میں
 ہوا ہے اس کے بغیر کتاب کا مضمون دوسری اشاعت تک مکمل نہیں ہے
 اس لئے ہم معاہدہ ۱۹۳۶ء کو الگ چھاپ کر بدینہ ناظرین کرتے ہیں۔
 ۱۹۳۷ء کے بعد سے دونوں حکومتوں کے مابین کوئی قابل ذکر بات بجز
 زیر نظر معاہدہ کے نہیں پائی اس لئے صرف معاہدہ کا نقل کر دینا کافی ہے۔

محمد اقبال سلیم کاہنری
 جولائی ۱۹۴۱ء

سید علی شبر حاتمی
 بی۔س۔سی (عثمانیہ)

جریدہ غیر معمولی

حکیم عالیجناب راجہ بھادر کشرن پرشاد پین السلطنتہ بالقابہم
پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
اعلیٰ حضرت مظفر الملک الملک فتح جنگ آصف جاہ سابع کے آستان سے
ثروت و رد و لایا ہوا فرمان نصرت نشان متر شدہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ ہجری
اطلاع عام کے لئے شائع کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے فقط
حیدر نواز جنگ
صدر الہام متعلقہ امور و توری

فصل

میں نے اپنے فرمان مورخہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۵۲ء میں لارڈ ونگڈن کی
حیدر آباد سے روانگی سے قبل ان انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کیا
تھا جو سرکار عظمت مدار کے ساتھ گفت و شنید کے نتیجہ کے طور پر ہندوستان
میں نئے دستور قائم ہونے پر میرے ملک و برار کے آئندہ نظم و نسق کی نسبت عمل
میں آئیں گے۔ اسی فرمان میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میری رعایا کو ان تدابیر کے

تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہیگا جن کی رو سے میرے ملک برابر کا نظم و نسق
ملک معظم کے اس ملک کے ساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے مثل ایک صوبہ
کے ہوگا جس کا نام ”ممالک متوسط برابر“ رہے گا۔ اور برابر پر میری سلطنت عملاً اس
محیر ہوگی کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

بیز یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ٹرنٹ گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے
کہ ہندوستان کا دستور می نشو و نما بزودی ممکنہ اعلان مذکور کی اجازت دیگاتا کہ ابواب
طے شدہ سے مجھے جو اطمینان حاصل ہوا اس میں میری رعایا بھی شریک ہو سکے۔

چونکہ گفت و شنید اب بحمد اللہ کامیابی کیساتھ اختتام کو پہنچ چکی ہے اور
میں نے بتایا کہ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ ہجری مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء تہہ نامہ برابر
پر جو ملک معظم کے ساتھ ہے دستخط بھی ثبت کر دیے ہیں۔ اس لئے بفضلہ تعالیٰ
اب وقت آگیا ہے جبکہ تہہ نامہ کی دفعات اور نیز وہ منسلک مکتوب جو منجانب ملک معظم
بدستخط ہر اسلٹنسی وائسرائے بہادر میرے نام وصول ہوا ہے عوام کی اطلاع کی غرض
سے شائع کر دیئے جائیں۔

موجودہ تہہ نامہ اور اس کے منسلک مکتوب کے ذریعہ یہ قدیم تصفیہ طلب مسئلہ حل
طے پائے ہیں نیز معاہدہ ۱۹۲۷ء کی تینسٹ سے مجھے کمال درجہ اطمینان ہوا ہے اور مجھے امید
کہ اس یادگار موقع پر میری عزیز رعایا ایسے حیدر آباد و برابر میرے اطمینان و مسرت میں شریک ہوگی
میرا یہ فرمان مہ منسلکات جریدہ غیر معمولی کے ذریعہ بغرض اطلاع عام شائع کیا جائے

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ شرح دستخط مبارک

معاہدہ

جو آج بتاریخ ۲۲ ماہ اکتوبر سنہ عیسوی انیس سو چھتیس بابین
ہر مجبھی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند و لغٹ جنرل ہزارگز الیڈ ہائس
آصف جاہ مظفر الملک والہا ملک نظام الملک نظام الدولہ نواب
سر میر عثمان علیچاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ
جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حیدر آباد (دکن) تکمیل پایا۔
مہر گاہ اُن ممالک محدوسہ میں جو ہزارگز الیڈ ہائیس نظام حیدر آباد کے
اقتدار اعلیٰ کے تحت میں چند علاقہ جات موسوم برائشامل ہیں۔

اور مہر گاہ بذریعہ معاہدہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء یہ قرار پایا تھا کہ ہزارگز الیڈ
ہائیس کے علاقہ جات موسوم بنام برار میں جس پر ہزارگز الیڈ ہائیس کے اقتدار
اعلیٰ کے متعلق اس معاہدہ میں مکرر قرار کیا گیا تھا 'سرکار عظمت' مذاجس طریق
سے مناسب تصور کرے انتظام نظم و نسق عمل میں لائے گی۔

اور مہر گاہ ایک ایسے وفاق ہند کے قیام سے متعلق تجاویز پر
مؤثر ہو اُن ریاست ہائے ہند پر جو وفاق مذکور میں شرکت پر رضا مند ہوں
اور اُن صوبجات برطانوی ہند پر جو بطور صوبجات، خود مختار قائم ہیں

نمائندگان حکومت مہرچٹھی پارلیمنٹ سلطنت متحدہ و برطانوی ہند و البیان
ریاست ہائے میں مباحث ہو چکے ہیں۔

اور ہر گاہ وفاق ہند کے لئے پارلیمنٹ ایک دستور منظور کیا ہے
اور وہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں مدون کیا جا چکا ہے لیکن
اوس میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ قانون مذکور کے مختلف حصے مختلف
تاریخ سے نافذ کئے جا سکیں گے۔

اور ہر گاہ قانون مذکور کے کسی حکم کا ہرگز الیڈ ہائینس کے کسی علاقہ
پر ان کی رضامندی و اتفاق کے بغیر اطلاق نہ ہوگا۔

اور ہر گاہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں اس امر کا انتظام
کیا گیا ہے کہ مابین مہرچٹھی اور ہرگز الیڈ ہائینس ایک معاہدہ بدیں غرض طے
پانے کی صورت میں صوبہ جات متوسط اور براہ کرا نظم و نسق عجیب تک کہ
ایسا معاہدہ نافذ اہل رہے تحت قانون مذکور بطور ایک گورنر کے صوّ
کے مشترکہ طور پر عمل میں آئے گا۔

اور ہر گاہ ہرگز الیڈ ہائینس اس امر کے خواہشمند ہیں کہ ان کے
علاقہ جات موسوم بنام براہ کرا نظم و نسق بمعیت ان علاقہ جات مہرچٹھی
موسوم بہ صوبہ جات متوسط کے حسب احکام قانون مذکور عمل میں
آئے اور وہ بمعیت علاقہ جات مذکور اس وفاق کی جو تحت قانون
مذکور قائم ہونے والا ہے ایک وحدت قرار دی جائے اور بدیں غرض
یہ قرین مصلحت سمجھا گیا ہے کہ معوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۵ء

ایک نئے معاہدہ کی تکمیل ہو۔

لہذا اب اس تحریر کے ذریعہ سے حسب ذیل قرار کیجاتی ہے
فقہہ اول۔ ہنزہ جیٹی برابر ہنزہ گز الیٹڈ ہائیٹس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم
اور اس کو مکرر فرماتے ہیں۔

فقہہ دوم۔ ہنزہ گز الیٹڈ ہائیٹس اپنی اور اپنے ورثاء اور جانشینوں
کی جانب سے ذریعہ ہذا اس امر کا اظہار فرماتے ہیں کہ بتا بہت مطابقت
شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا وہ اپنے ان علاقہ جات کے متعلق جو بنام برابر
موسوم اور آئندہ تحریر ہذا میں اسی نام سے مذکور ہیں وفاق ہند میں
جو تحت قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۴۷ء تجویز کیا گیا ہے شرکت پر
رضا مندر میں اور ہنزہ جیٹی بذریعہ ہذا اس رضا مندی کی نسبت اپنی
قبولیت کا اظہار فرماتے ہیں۔

فقہہ سوم۔ ہنزہ گز الیٹڈ ہائیٹس اپنی اور اپنے ورثاء اور جانشینوں
کی جانب سے بذریعہ ہذا قانون مذکور کے ان احکام کے متعلق جن کا برابر
پر اطلاق ہو اس غرض سے اظہار قبولیت فرماتے ہیں کہ بتا بہت مطابقت
شرائط معاہدہ ہذا اور باوجود اس کے برابر ہنزہ گز الیٹڈ ہائیٹس کا اقتدار
اعلیٰ برقرار رہے گا برابر اور ہنزہ جیٹی کے وہ علاقہ جات جو صوبہ جات
منو مط کے نام سے موسوم ہیں دونوں کا نظم و نسق اس طرح عمل
میں آئے کہ گویا وہ ایک ہی صوبہ ہیں جو بنام صوبہ جات متوسط و برابر
موسوم ہوگا۔ اور ہنزہ جیٹی اور جملہ دفائی مرکزی و صوبہ جاتی ادارہ ہائے

صوبہ جات متوسط و برابر کی نسبت وہ تمام اختیارات و فرائض انجام دیں جن کے وہ قانون مذکور کی رو سے یا اس کے تحت حامل ہیں۔

فقہہ چہارم۔ صوبہ جات متوسط و برابر کے گورنر کا فکڑہ منجانب ہنر مجبئی بعد مشورہ ہنر اگرا الیڈ ہائینس عمل میں آئے گا۔ اور گورنر جو اختیارات و فرائض تحت قانون مذکور منجانب یا بہ نیابت ہنر مجبئی انجام دے سکیں گے وہ برابر کی حد تک ہنر اگرا الیڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کے بنا پر انجام دے جائیں گے۔

فقہہ پنجم۔ برابر میں جب کبھی اور جہاں کہیں گورنر صوبہ جات متوسط و برابر کے احکام کی بنا پر برطانوی ریجم بلنڈ کیا جائے گا تو اس کے پہلو پہلو ہنر اگرا الیڈ ہائینس کا پرچم بھی بلند کیا جائے گا۔

فقہہ ششم۔ ہنر اگرا الیڈ ہائینس کا یہ حق بذریعہ ہذا تسلیم کیا جاتا ہے کہ حیدرآباد کے اعزازی خطابات باشندگان برابر کو عطا فرمائیں بشرطیکہ ہنر مجبئی کے اس قائم مقام کا اتفاق قبل ازیں حاصل کیا جائے جو یہاں ہندوستان جات برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تلج کے اختیارات و فرائض انجام دینے کا مجاز ہو۔

فقہہ ہفتم۔ ہنر اگرا الیڈ ہائینس کے اس حق کو ہنر مجبئی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ برابر میں دربار منقذ فرمائیں بشرطیکہ ہر مرتبہ ہنر مجبئی کے قائم مقام مذکور کا اتفاق حاصل کیا جائے۔

فقہہ ہشتم۔ ہنر اگرا الیڈ ہائینس کو اختیار ہوگا کہ ہنر مجبئی کے قائم مقام

مذکور کے اتفاق سے گورنر صوبہ جات و برار کو موزون تقاریب میں بھی شرکت کے لئے حیدر آباد آنے کی دعوت دیں۔

فقہہ ہفتم۔ برار کی مسجد میں ہزارگز الیٹڈ ہائینس کے نام سے خطبہ پڑھے جانے پر مجلس کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

فقہہ دہم۔ باوجود اختلاف معاہدہ مذکورہ مورخہ ۵۵ نومبر ۱۹۰۲ء پر چھٹی سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ جو برار کی بابت اس وقت تک ادا ہوتی رہی ہے ہزارگز الیٹڈ ہائینس کو ادا فرماتے رہیں گے۔

فقہہ یازدہم۔ ہزارگز الیٹڈ ہائینس کو برحق ہو گا کہ صوبہ جات متوسط و برار کے مستقر حکومت میں اپنا ایک ایجنٹ بدیں اغراض قائم رکھیں کہ وہ کسی ایسے معاملہ سے متعلق اپنی حکومت کے خیالات کی ناسمجگی کئے جو صوبہ جات متوسط و برار اور حیدر آباد دونوں کے مشترکہ اغراض پر مشتمل ہو یا جو حیدر آباد کے اغراض پر بلا واسطہ موثر ہو۔ لیکن بجز صورت مصرحہ بالا ایجنٹ مذکور کو صوبہ جات متوسط و برار کے کسی داخلی معاملہ سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

فقہہ دوازدہم۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار نظم و نسق برار میں اپنی اس خاص ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے جو کسی ریاست ہند کے حقوق کی حفاظت سے متعلق ہو ریاست حیدر آباد کے تجارتی و معاشی اغراض کا لحاظ واجب رکھیں گے۔

فقہہ سیزدہم۔ گورنر جنرل کو لازم ہو گا کہ محاسن وضع قوانین صوبہ جات

متوسط و برابر کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برابر ہوتا ہو اور جو اون کے غور کے لئے مختص کیا گیا ہو نیز مجسٹری کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق برابر ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا گیا وہ نیز اگر الیڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کی بنا پر ہے۔

فقہہ چہار دہم۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برابر کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برابر کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برابر ہوتا ہو نیز مجسٹری کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے یا اس قسم کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جو نیز مجسٹری کے اظہار پسندیدگی کے لئے محفوظ کیا گیا ہو نیز مجسٹری کی منظور کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق برابر ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا وہ نیز اگر الیڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کی بنا پر ہے۔

فقہہ پانچ دہم۔ معاہدہ ہذا میں کوئی امر کسی طرح اون فوجی کھالتوں پر موثر نہیں ہے اور نہ اون میں تخفیف کرتا ہے جن سے نیز اگر الیڈ ہائینس کسی موجودہ تہہ نامہ یا معاہدہ کے تحت مستفید ہو رہے ہیں اور معاہدہ ہذا میں کسی امر کی ایسی تعبیر نہ کی جائے گی جس سے فوجی جمعیت موسوم بنام حیدر آباد گنجنٹ کو یا اس کے جدید قائم مقام جمعیت کو کو برقرار رکھنے کے لئے نیز اگر الیڈ ہائینس پر آئندہ کوئی ایسی ذمہ داری

جو تیلخ معاہدہ ہذا موجود عائد کی جائے۔

فقہہ ثنائی دہم۔ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے انتخابات کے متعلق اور بعد قیام وفاق انتخابات کو نسل آف ایڈٹ کے متعلق احکام مندرجہ ذیل کے بموجب عمل ہوگا۔

الف۔ جس حد تک کہ رائے دہندوں کی قابلیت کسی امتحان کی کامیابی پر منحصر ہو۔ جیسا کہ آباد کے کسی مساوی درجہ کے امتحان کی کامیابی کا برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت دہی اثر ہوگا جو کسی ایسے امتحان کی کامیابی کا ہوتا ہے جو عموماً صوبہ جات متوسط و برار میں فی الوقت رائے دہندوں کو رائے دہی کے قابل بناتی ہو۔

ب۔ جس حد تک کہ رائے دہندہ کی قابلیت کسی فوج باقاعدہ یا کسی جمعیت پولس میں اوس کی یا کسی اور شخص کی شرکت پر منحصر ہو۔ ہذا اگر الیڈ ہائینس کے افواج باقاعدہ کی اور جمعیت پولیس ریاست جیڈ کی رکنیت برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت ایسی ہی تصور کی جائے گی جیسی کہ علی الترتیب مجرہ بٹی کے افواج باقاعدہ کی اور کسی جمعیت پولس برطانوی ہند کی رکنیت تصور کی جائے گی۔

فقہہ ہفتم۔ ہم۔ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے حوالہ سے مندرجہ معاہدہ ہذا کی تعبیر کی جائے گی کہ ان حوالہ جات کا اطلاق قانون مذکور پر مشمول ایسی جملہ ترمیمات کے ہوگا جو مابعد کے کسی قانون کی رو سے یا اوس کے تحت ہوئی ہوں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ترمیم عمل میں آئے

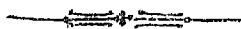
۱۲
جو اس معاہدہ کی کسی شرط کے متناقض ہو یا جس سے قانون مذکور کے کسی حکم کی مصرحہ ضمیمہ معاہدہ ہذا کی ترمیم ہوتی ہو اور یہ ترمیم ایسی نہ ہو جس کا بار پر اطلاق ہونا نہ ہرگز الٹیمڈ ہائینس نے منظور فرمایا ہو یا جس کا اطلاق صرف علاقہ جات ماسوائے برار پر ہوتا ہو تو ہرگز الٹیمڈ ہائینس کو اختیار ہو گا کہ تاریخ ترمیم مذکور سے چھ ماہ کے اندر کسی وقت اس بارے میں اطلاع دیکر معاہدہ ہذا کو ختم فرمادیں۔

فقہہ پنچ دہم۔ معاہدہ ہذا کو بعض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۵ء نافذ عمل رہے گا۔ اور اس میں بجز رضامندی فریقین کوئی تغیر یا ترمیم نہ ہو سکے گی۔ اور مبتا بعت شرائط مندرجہ آخر فقرہ ماسبق کسی ایک فریق کی جانب سے اس وقت ختم نہ کیا جاسکے گا جب تک کہ اس کے محفوظ حقوق فریق ثانی کو پابندی کے ساتھ محفوظ رہیں اور وہ اس تاریخ سے نافذ ہو گا جو حصہ سوم قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تاریخ مذکور کے قبل قانون مذکور صوبہ متوسط و برار میں نافذ کرنے کی غرض سے برار میں ایسے تدابیر اختیار کئے جاسکیں گے جن کا قانون مذکور کی رو سے یا اس کے تحت کسی آرڈران کو نسل رو سے اختیار دیا جائے۔

فقہہ نواردہم۔ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کی دفعہ (۶) کے احکام کا معاہدہ ہذا بر اطلاق نہ ہو گا اور نہ وفاقی عدالت کا اختیار تھا کسی ایسی نزاع پر حاوی ہو گا جو اس کے تحت پیدا ہو۔

فقیرہ بستہ۔ معاہدہ ہذا کا کوئی امر نہ ہرگز الیڈ ہائینس کے اُن حقوق پر جو اُن کے علاقہ جات ماسوائے برار سے متعلق ہوں موثر نہ ہوگا اور بذریعہ ہذا اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ قانون حکومت ہند نافذ ۱۹۳۵ء کے حصہ دوم کے احکام کی رو سے جس دفاع ہند کی تجویز ہوئی ہے اس میں شرکت کے متعلق خواہ ہرگز الیڈ ہائینس و دستاویز کی تکمیل فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ اور خواہ مجبوری ایسی دستاویز قبول فرمائیں نہ فرمائیں بہر حال اقرار نامہ ہذا نافذ العمل رہے گا۔

بہ توثیق امور مصرحہ صدر معاہدہ ہذا پر ہر کلمنسی دی موسٹ آرمیل دی مارکونیس آف لنٹفکو۔ بی۔ سی۔ کے۔ ٹی۔ جی۔ ایم۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ ایم۔ آئی۔ ای۔ او۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ یل۔ ٹی۔ ڈی۔ نے جو مجبوری کے دائرے اور گورنر جنرل کشور ہند میں۔ منجانب ہر مجبوری اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں اور لفٹنٹ جنرل ہرگز الیڈ ہائینس آصف حبہ منطقہ انکلاف الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علی خان بہاؤ شاہ جنگ یار و قادیار سلطنت برطانیہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حیدر آباد (دکن) اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں۔



ضمیمہ ۵

(ضمیمہ ہذا میں جہاں صوبہ اور گورنر کا ذکر آئے اس سے صوبجات
متوسط برابر اور وہاں کا گورنر مراد ہے۔)

قانون کے حصہ اول کا اس قدر جزو مجبٹھی سے اور گورنر جنرل
سے اور ہر مجبٹھی کے اس قائم مقام سے متعلق ہو جو ریاست ہائے ہند سے
آج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے فرائض و اختیارات کے
استعمال کرنے کا مجاز ہے۔

حصہ جات دوم و سوم کے محولہ ذیل احکام۔

دفعہ ۷۔ ضمن (۱) و ضمن (۲)

دفعہ ۹۔ ضمن (۳)

دفعہ ۱۲۔ ضمن (۲)

دفعہ ۱۴۔ ضمن (۱)

دفعات ۳۲۔ ۳۳۔ ۴۴۔ ۴۹۔

دفعہ ۵۰۔ ضمن (۳)

دفعہ ۵۲۔ ضمن (۳)

(جو عام احکام امور ذیل کے متعلق ہیں یعنی صوبہ میں وفاق کے انتظامی اختیار کا استعمال کارروائی منجانب گورنر جنرل یا گورنر بہ سناٹا اُن کے صوابدید کے یا استعمال اُن کی انفرادی قوت فیصلہ کے وزیر ہند کا گورنر جنرل پر اور گورنر جنرل کا گورنر پر اختیار و نگرانی اگر ڈنٹنسن جو گورنر جنرل یا گورنر اپنے صوابدید سے نافذ کرنے اور گورنر جنرل و گورنر کے نافذ کردہ قوانین دفعہ ۱۱-ضمن (۱) جس حد تک کہ اُس میں منجھکوم ہے کہ گورنر جنرل بدلتا کے معاملات میں اپنے حسب صوابدید عمل کریں۔

دفعات ۱۲ و ۲۵- جس حد تک کہ ان کی رو سے دفعہ (۱۲) ضمن (۱) کے فقرات (۱) و (۲) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں گورنر جنرل پر اور دفعہ ۲ ضمن (۱) کے فقرات (۱) و (۲) اور (۱) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں نیز وہ خاص ذمہ داری متعلقہ برار متذکرہ ضمن (۲) دفعہ مذکور جو گورنر پر عائد ہوتی ہے۔

دفعہ (۳۸) ضمن (۱) اور دفعہ ۴ ضمن (۱) کی متعلقہ شرط کا اس قدر حصہ جس میں گورنر جنرل یا گورنر کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے صوابدید کے تحت سے امور ذیل کے متعلق قواعد وضع کرے۔

(الف) متذکرہ بالا خاص ذمہ داریوں کی ادائیگی سے متعلق وفاقی یا صوبہ جاتی مجلس وضع قوانین کے ضابطہ کارروائی اور طریق کار کو منضبط (ب) اُن امور پر جو ریاست ہائے ہند سے کسی والی ریاست یا

۱۶
ریاست کے حکمران خاندان کے کسی فرد کی ذاتی روش سے متعلق ہوں۔ بحث
کرنے یا سوالات پیش کرنے کی تابعدار محکومہ شرط مذکورہ ممانعت۔

اور دفعہ (۳۸) کے مذکورہ ضمن (۱) کی شرط کا اس قدر حصہ جس میں
گورنر جنرل کے لئے یہ حکم ہے کہ اُن کے حسب صوابدید اس غرض سے
قواعد وضع کریں کہ مداخلت سے متعلق وفاقی مجلس وضع قوانین کے ضابطہ
کار روائی اور طریق کار کو منضبط کریں اور ضوابط کے معاملات سے متعلق کسی
کارروائی پر جو وہ اپنے حسب صوابدید عمل میں لائیں بحث کرنے یا سوالات
پیش کرنے کی تابعدار محکومہ شرط مذکورہ ممانعت کی جائے۔

دفعہ ۴۰-ضمن (۲) اور دفعہ ۸۹-ضمن (۲۱) جن کے تحت گورنر جنرل
یا گورنر مجاز ہیں کہ وفاقی یا صوبہ جاتی مجلس وضع قوانین میں ایسے مباحث
پر قیود عاید کریں جو دفعہ ۱۲-ضمن (۱) کے فقرہ (۱) اور دفعہ ۵۲-ضمن (۱)
کے فقرہ (۱) کی متذکرہ خاص ذمہ داریوں کی ادائی پر موثر ہوتے ہوں
دفعہ ۴۲ (جو برابر سے متعلق ہے)

دفعہ (۱۰۸) جس حد تک کہ اس کی رو سے محکوم ہے کہ ایسے مسودات
قوانین یا ترمیمات کی پیشی یا ان کے متعلق تحریک کے لئے اولاً گورنر جنرل
کی منظوری ان کے حسب صوابدید یا گورنر کی منظوری ان کے حسب صوابدید
حاصل کی جائے جن سے گورنر جنرل یا گورنر کے قوانین یا آرڈیننسز کی جو
انہوں نے اپنے حسب صوابدید مشہر کرائے ہوں تیس یا ترمیم ہوتی ہو یا
جو قوانین یا آرڈیننسز کو رکے مخالف ہوں یا جو مداخلت سے متعلق امور

پر موثر ہوں۔

دفعہ (۱۱۰) باستناد اُن صورتوں کے جن میں وہ ایسے قوانین کے وضع کرنے سے متعلق ہوتی ہوں جو لائٹ برٹش نیشنلٹی آر می ایکٹ، آئرفورس ایکٹ، اینول ڈسپلین ایکٹ، لائٹ پر انٹر آر پر اینز کورٹس پر یا مرافعات مرجعہ پر یومی کونسل باجارت خاص پر موثر ہوں۔

باب اول حصہ نہم جو وفاقی عدالت سے متعلق ہے باستناد دفعہ (۲۰۶) باب مذکور۔

دفعات ۲۴ و ۶۷۔ دفعہ ۲۰ ضمن (۴)۔ دفعہ ۱۱ ضمن (۷) اور

ضمیمہ چہارم جس حد تک کہ وہ اُن حلقوں اور اقرارات صالح سے متعلق ہیں جو ایسے اشخاص کو اٹھانے یا کرنے ہوں جو برطانوی رعایا نہ ہوں۔

شرح دستخط

میر عثمان علی شاہ

میرے عواجم میں

شرح دستخط ڈی۔ جی۔ میکنری

ریزیڈنٹ متینہ حید آباد

۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء

شرح دستخط

لن انتھوگو

سخنِ منت

لفٹ جنرل ہزار گز الیڈ ہائیس آصف جاہ مظفر الملک و الممالک نظام الملک
نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ یار و فادر سلطنت
برطانیہ جی۔ سی۔ لیس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حیدر آباد (دکن)
میرے معزز و ذی قدر دوست۔

ہز مجبئی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند کی جانب سے مجھے حکم ہوا ہے کہ
کہ دربارہ معاہدہ جدید مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء جو برابر کے آئینہ نظم
و نسق سے متعلق ہے میں یور گز الیڈ ہائیس کو اس غرض سے مخاطب کروں
کہ صورت حال واضح اور اس طرح آئینہ غلط فہمی کا سد باب ہو جائے۔

ہز مجبئی نہیں چاہتے کہ معاہدے میں کوئی ایسی چیز درج فرمائیں جس
اس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے یا بطور اس کے
لازمی نتیجہ کے ایسے تجاویز شریک فرمائیں جو اس صورت میں برابر کے
مابعد کے انتظام کے لئے ہوں تاہم اس غرض سے کہ شبہ کی گنجائش
باقی نہ رہے ہز مجبئی اس امر کی صراحت کر دینا مناسب خیال فرماتے
ہیں کہ وہ اس معاہدہ میں اس صاف و صریح سمجھوتہ پر شریک ہو رہے ہیں
کہ اگر آئینہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بد قسمتی سے اختتام ہو جائے تو ہز مجبئی
کو اختیار ہو گا کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل کی صورت میں یا اس کے
تکمیل پالیے تک، نظم و نسق برابر کے لئے باوجود کسی امر کے جو تہہ نہ جا

باب ۲۵۳ء و ۲۵۴ء میں اوس کے برخلاف ہو، ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں قائم کریں۔ اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں لیکن مجھے یہ واضح کر دینے کا حکم ہوا ہے کہ اس سے نہ تو یوراکز الیٹڈ ہائینس کے برابر پر اقتدار اعلیٰ کا تسلیم کیا جانا۔ نہ سالانہ رستم بکس لاکھ روپیہ کی ادائیگی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے اس وقت یوراکز الیٹڈ ہائینس تحت عہد نامہ جات موجودہ متنفذ ہو رہے کسی طرح متاثر ہوں گی اور نہ مجبھی یوراکز الیٹڈ ہائینس کی رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے کہ نظم و نسق برابر کے لئے کوئی انتظامات کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں جو اس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو جو اس وقت قائم ہے۔

یوراکز الیٹڈ ہائینس کی جو اعلیٰ وقت میرے نزدیک ہے اس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں اور یوراکز الیٹڈ ہائینس کے مخلص دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

سن لٹھ گو

وائسرائے و گورنر جنرل ہند

نئی دہلی۔ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

حالات حاضرہ کو سمجھنے کے لئے معرکہ آرا تصنیف

جنگ ۱۹۳۶ء کیوں ہوئی؟

از جناب شیخ رحمن بخش صاحب بی۔ اے۔ ال۔ ایل۔ بی

جنگ ہو رہی ہے۔ سب کو معلوم ہے لیکن کیوں ہو رہی ہے۔ شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ معلوم کرنے کے لئے سب مضطرب ہیں آپ یقیناً چاہتے ہوں گے ہٹلر کے خطرناک ارادے۔ اس کی سازشیں میونخ کا معاہدہ۔ رہائش لینڈ پر جریرہ قبضہ۔ پولینڈ کی تباہی چیکوں کے خلاف انتظامات۔ یورپ کے اس دیو طلسمی کے ابتدائی مظالم۔ اس کے برسر کار آنے کے اسباب و وجوہ معلوم کریں۔ اگر یہ درست ہے تو آج ہی جنگ ۱۹۳۹ء کیوں ہوئی؟ ملاحظہ فرمائیے۔

نوٹ:- آٹھ نقشے بھی شامل کتاب میں ہیں جس سے واقعات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ عبدالحق اکیڈمی شامراہ عثمانی حیدرآباد دکن،

پاکستان اور ہندوستان

مرتبہ علامہ عبدالقدوس ہاشمی الہودی

مسلمان ہند مسئلہ پاکستان کو سمجھنے کے لئے بے چین تھے اس
بے چینی کو محسوس کر کے عالیجناب قائد ملت لواء بہادر جناب
نے اپنی زیر نگرانی پاکستان اور ہندوستان مترکیائی
ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس سیاسی مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اس سے
بہتر کوئی کتاب نہیں۔ انداز تحریر سلیس اور عام فہم سچیدہ سے سچیدہ
مسائل کو نہایت سلجھے ہوئے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

تجزیہ پاکستان پر جس قدر زیادہ سے زیادہ اعتراضات
ہو سکتے ہیں سب کا مستند جواب دیا گیا ہے۔

ضخامت ۳۳۶ صفحات مجلد زنجین گرد پوش قیمت صرف ۲ روپے

علامہ محصولہ لک

ملنے کا پتہ
مہتمم دارالانشاعت سیٹہ شاہراہ عثمانی حیدرآباد دکن



قائد ملت نے انہیں دریا رخ کیا ہے

ان حیات پرور سیاسی تقاریر کا مجموعہ جنہوں
دکن کے تن مرد ہیں زندگی کی لہر دوڑا دی

محکماتِ صفیہ اسلامیک کے

سیاسی مدد جرز کی ناریخ دکن کے اس جادو بیجان

مقرر کی زبانی سنئے

ضخامت (۴۰۰ صفحات) - قیمت صرف (تین روپیہ مجلد)



تاریخ اتحادِ مسلمین

مسلمانانِ دکن کی بارہ سالہ جدوجہد کا مرقع

جیدر آباد کا مسئلہ اپنی گونا گوں اہمیتوں کی
کی بنا پر آج ہر اخبار کی سرخی بنا ہوا ہے
اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے

تاریخ اتحادِ مسلمین پڑھیے

اس میں آریہ پٹیشن، کانگریس کی سازش، خطرناک منصوبے، دستوری
اصلاحات، مسلمانوں کی جدوجہد وغیرہ۔ سب واقعات
اور ان کے نتائج درج ہیں۔

مخامنت (۲۴۴) قیمت صرف (ایک روپیہ چار آنہ)

ہتم دار الاشاعت سیسہ پستہ شاہراہ عثمانی
جیدر آباد دکن

انقلاب کیا! شعر و ادب کی دنیا،
فکر و خیال کی فضا میں

ہندوستان کے ہر لغزیز اور نامور شاعر حیات
حضرت مولانا مہار القادری کے کلام کا پہلا مجموعہ

محسوساتِ مہر شایع ہو گیا

خدا بات کے شعلے احسنِ جمال کے بھول، محبت کے
نغمے اور کوثر میں ڈھلی ہوئی زبان۔ تیرپتی ہوئی
روحوں کے لئے سامانِ تسکین، سوتے ہوئے

کے لئے تیر و نشتر
آج ہی آڈر ویسجے ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا
دیدہ زیب کتابت و طباعت۔ ریجن گروپ پبلیکیشنز، ممبئی
(۳۰ صفحہ) قیمت ۳۰ (دو روپیہ) علاوہ محصول

مہتمم عبدالحق اکیدمی شاہِ عثمانی جید لکڑکن

پاکستان

اور
ہندوستان

مہندو لوہی عبد القدوس پاشا شہزی
وفاقی سب اہم اور سب زیادہ مقبول تحریر
پاکستان کو سمجھنے کے لئے اس
پاکستان بہتر کوئی کتاب نہیں
فحاش (۳۱) منہا رنگین کرو پش
قیمت ۷۰ روپے

شاعر حیات محمد امیر القادری کی کہیں
نظمیں اور سوز و گدازیں و بولی بولی
نوروں کا مجموعہ

مختصریات

مختصریات ۱۰۰ صفحہ رنگین کرو پش
قیمت ۱۰ روپے
مختصریات ۲۰۰ صفحہ رنگین کرو پش
قیمت ۲۰ روپے

الہ آباد پریس و پبلشرز

الہ آباد پریس و پبلشرز

LYTTON LIBRARY, ALIGARH.

252 P

DATE SLIP

90594

This book may be kept

FOURTEEN DAYS

A fine of **one anna** will be charged for
each day the book is kept over time.
